ٹیپو سلطان

مصنف

سیموئیل سٹرینڈ برگ

تلخیص و ترجمہ

محمد زاہد ملک

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
1-	انتساب	
2-	کچھ باتیں زیر نظر کتاب کے بارے میں!	6
3-	زیر نظر کتاب تحریر کرنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟	7
4-	جنوبی ہندوستان کی منظر کشی	10
5-	میسور کی جغرافیائی اور سیاسی خصوصیات	10
6-	سیاسی نقشہ	11
7-	1700ء کی دہائی کا ہندوستان	12
8-	1700ء کی دہائی میں لڑی جانے والی لڑائیوں کی صورت حال	14
9-	جنگی قیدی	20
10-	ہندوستان اور یورپی نوآبادیاتی طاقتیں	21
11-	ٹیپو سلطان کی پیدائش اور بچپن	22
12-	حیدر علی کے خلاف بغاوت	24
13-	کریم تخت کا وارث نہ بن سکا	25
14-	باپ اور بیٹا......حیدر علی اور ٹیپو سلطان	26
15-	ٹیپو سلطان عملی فوجی تربیت کے میدان میں	28
16-	فرنگیوں اور میسور کی پہلی لڑائی 1767ـ1769ء	30
17-	مرہٹوں کے ساتھ پہلی لڑائی	30
18-	کمپنی کے خلاف نظام کے ساتھ اتحاد	31
19-	اور فرنگی بھاگ نکلے	32

20- کمپنی کے ساتھ امن معاہدہ 32
21- مرہٹوں کے ساتھ جنگ 1769ء تا 1772ء 33
22- سرنگاپٹم میں شادی کی تقریب 35
23- حیدر علی...... میسور کا مطلق العنان حکمران 36
24- فرنگیوں اور میسور کی دوسری لڑائی 1780ء تا 1784ء 38
25- یہ جنگ ایک خونی جنگ ثابت ہوئی 39
26- انگریزوں کی فوجی تیاریاں 41
27- تخت نشینی اور ایک جنگ 43
28- جنرل میتھیو اور بجنور 44
29- اگلا نشانہ...... اننت پور 46
30- بجنور پر دوبارہ قبضہ کر لیا گیا 47
31- بنگلور کی جانب پیش قدمی 48
32- بنگلور کا امن 49
33- اور بنگلور فرنگیوں کے ہاتھ سے نکل گیا 50
34- ٹیپو سلطان...... اپنا وزیر خارجہ آپ 52
35- ترکی کی جانب سفارت کاروں کی روانگی 52
36- فرانس کی جانب سفارت کاروں کی روانگی 54
37- ٹیپو...... اپنی رعایا کا باپ 56
38- لائبریری 59
39- ٹیپو سلطان...... سماجی مصلح 59
40- غلاموں سے مشقت لینے کی ممانعت 62
41- ٹیپو...... ایک رحم دل سلطان 63
42- انتظامی اصلاحات 65

43- صنعت وتجارت 66

44- ریشم سازی 67

45- پبلک انٹرپرائزز 67

46- ماحولیاتی بہتری 68

47- نیا کیلنڈر 69

48- پیمائش اور اوزان کے نئے پیمانے 69

49- ٹیپو سلطان اور مذہب 70

50- فرنگیوں اور میسور کی تیسری لڑائی 1790ء تا 1792ء 74

51- کارن ولیس کا تقرر 75

52- ٹراونکور کے ساتھ جنگ 75

53- میسور کے خلاف جارحانہ اتحاد 76

54- جنگ کا پہلا مرحلہ 77

55- کارن ولیس نے کمان سنبھال لی 80

56- ٹیپو سلطان بے مزاحمت رہا 82

57- سرنگاپٹم کی جانب فرنگیوں کی پیش قدمی 83

58- فرنگیوں کی پسپائی 84

59- جنگ کا دوسرا مرحلہ 1791ء تا 1792ء 85

60- سوینڈ روگ......موت کی چٹان 85

61- فرنگیوں کی دوسری کوشش 87

62- سرنگاپٹم کا معاہدہ امن 90

63- معاہدہ امن کی شرائط 90

64- ٹیپو سلطان نے معاہدہ امن کی شرائط تسلیم کرلیں 91

65- یرغمالیوں کو فرنگیوں کے حوالے کرنے کی تقریب 91

66- امن کے سات برس 94

67- ویلزلے...... نیا گورنر جنرل 95

68- ملارتک اعلامیہ 97

69- جاکوبین کلب 98

70- فرانسیسی جزیرے کی جانب روانگی 98

71- اور نظام حیدر آباد فرنگیوں کا باجگزار بن گیا 100

72- ٹیپو سلطان اور نپولین 101

73- قلمی دوست 102

74- فرنگیوں اور میسور کی چوتھی لڑائی 1799ء 106

75- آخری معرکہ (4 مئی 1799ء) 109

76- جب یہ سب کچھ وقوع پذیر ہوا اس وقت ٹیپو سلطان کیا کر رہا تھا؟ 110

77- تجہیز و تکفین (5 مئی 1799ء) 112

78- جنگ کے نتائج و عواقب 114

79- مال غنیمت کی تقسیم 114

80- میسور کے راجہ کو بحال کر دیا گیا 116

81- ٹیپو سلطان کے اہل خانہ کیلئے پنشن 117

82- ٹیپو سلطان کے جرنیل 117

83- خلاصہ 118

کچھ باتیں زیرِ نظر کتاب کے بارے میں!

بنیادی طور پر یہ کتاب سویڈش زبان میں تحریر کی گئی تھی تاکہ اہل سویڈن اس کتاب سے استفادہ حاصل کر سکیں۔ اہل سویڈن ہندوستان کی تاریخ سے بخوبی واقف نہیں ہیں۔ عین ممکن ہے کہ انہوں نے مغلوں کے بارے میں سن رکھا ہو لیکن وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ ہندوستان پر عرصہ دراز تک برطانوی تسلط قائم رہا تھا۔ گاندھی اور نہرو بھی جانے پہچانے کردار ہیں۔

لیکن کبھی کبھار اہل سویڈن اس بات پر حیران ہوتے ہیں کہ انگریز ہندوستان پر اپنا تسلط قائم کرنے میں کس طرح کامیاب ہوئے جبکہ انہوں نے بڑے بڑے فوجی معرکے بھی سرانجام نہ دیے تھے اور محض قلیل تعداد کے حامل فوجی دستوں کے تعاون کی بدولت وہ ہندوستان جیسے عظیم ملک پر قبضہ جمانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

ان کے ذہن میں یہ سوال گردش کرتا ہے کہ کیا ہندوستان میں کوئی بھی ایسی ریاست موجود نہ تھی جو اپنے دفاع کا فریضہ سرانجام دیتی؟
اور اگر ہندوستان کی کسی ریاست نے اپنے دفاع کا فریضہ سرانجام دیا تھا تو وہ کیوں اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکی تھی؟

زیر نظر کتاب میں محض ایک ہی ہندوستانی شہزادے کا تذکرہ پیش کیا گیا ہے جس نے انگریزوں کے خلاف گراں قدر مزاحمت سرانجام دی۔ اس کی شدید مزاحمت سے نہ صرف انگریز بوکھلا گئے تھے بلکہ خوف زدہ اور ہراساں بھی ہوئے تھے اور غم و غصے کا شکار بھی ہوئے تھے۔ اس شہزادے کا نام ٹیپو سلطان تھا۔ وہ جنوبی ہند میں واقع ریاست کا حکمران رہا تھا۔ اس نے اس ریاست پر 1700ء کے اختتام پر محض چند عشروں تک حکومت کی تھی جبکہ فرانس میں انقلاب برپا ہوا تھا۔

ٹیپو سلطان محض ایک قابل ذکر فوجی رہنما ہی نہ تھا بلکہ وہ سماجی اصلاحات کے ضمن میں بھی اپنے وقت سے بہت آگے تھا۔ اس نے وہ اصلاحات سرانجام دی تھیں جو اصلاحات دیگر ممالک نے ایک سو برس بعد سرانجام دی تھیں۔ لیکن وہ انگریزوں کی سیاست اور فوجی مہارت کا شکار ہو کر رہ گیا تھا اور اپنی جدوجہد میں بظاہر ناکامی کا شکار ہوا تھا۔

سیموئیل سٹرینڈبرگ ہندوستان پر ایک سند کے درجے کا حامل مصنف ہے۔ اس نے جدید ہندوستان پر کئی ایک کتب تحریر کی ہیں۔ وہ ٹیپو سلطان کا گرویدہ ہے۔ اس سے از حد متاثر ہے اور زیر نظر کتاب میں اس نے نہ صرف ٹیپو سلطان کی زندگی پر روشنی ڈالی ہے بلکہ اس کے خاتمے پر بھی روشنی ڈالی ہے جو کسی المیے سے کم نہ تھا اور ٹیپو سلطان کا خاتمہ ہندوستان میں برطانوی راج کے خلاف مزاحمت کا خاتمہ بھی تھا پیشتر اس کے کہ آزادی کی تحریک منظر عام پر آتی۔

اس کے علاوہ زیر نظر کتاب اس امر پر بھی روشنی ڈالتی ہے کہ انگریز کس طرح اپنی سیاست اور سازشوں کی بنا پر اس عظیم ملک ہندوستان کے سیاہ و سفید کے مالک بنے اور ایک عظیم طاقت کے طور پر منظر عام پر آئے۔

◆

زیر نظر کتاب تحریر کرنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟

مجھے اکثر یہ مواقع میسر آئے کہ میں نے سویڈن کے سیاحوں کے ہمراہ جنوبی ہندوستان کی سیاحت سرانجام دی۔ میں نے کئی مرتبہ میسور کی سیاحت بھی سرانجام دی۔ اس کے قرب وجوار میں واقع سرنگاپٹم کا قلعہ کافی زیادہ کشش کا حامل ہے جو آج کل کے میسور سے چند میل باہر واقع ہے۔ یہاں پر آپ کو نہ صرف اس قلعے کے دلچسپ کھنڈرات اور باقیات دیکھنے کو ملتی ہیں بلکہ ایک یادگار پتھر بھی دیکھنے کو ملتا ہے جس پر کچھ اس طرز کی عبارت تحریر ہے کہ:

"ٹیپو سلطان کا جسد خاکی اس جگہ پر پایا گیا تھا۔"

سیاحوں کی گاڑیاں اس مقام پر تھوڑی دیر کے لئے رکتی ہیں اور گائیڈ اپنے سیاحوں کو یہ بتاتے ہیں کہ:

"ٹیپو سلطان ایک شہزادہ تھا جو 4 مئی 1799ء کو انگریزوں کے خلاف لڑتا ہوا اس وقت اس مقام پر گرا تھا جبکہ انگریز سپاہ نے قلعے پر قبضہ کیا تھا۔"

قلعے کے کھنڈرات اور اس کی باقیادت کو دیکھنے سے کہیں دلچسپ اور دیکھنے کے قابل ٹیپو سلطان کا موسم گرما کا محل اور متاثر کن قبرستان ہے جہاں پر ٹیپو سلطان اور اس کا والد حیدر علی اور اس کی والدہ مدفون ہیں...... ابدی نیند سو رہے ہیں۔ سیاح ان عمارات کی تعریف کرتے ہیں اور ان کو یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ ٹیپو سلطان انگریزوں کا جانی دشمن تھا۔ وہ ایک بہادر اور غیور حکمران تھا اور کٹر مسلمان تھا۔

ایک روز اتفاقی طور پر مجھے کتابوں کی ایک دوکان پر ایک چھوٹی سی کتاب نظر آئی۔ اس کتاب کا عنوان تھا: "ٹیپو سلطان کی تلوار" اس کتاب کو بھگوان گدوانی نامی کسی لکھاری نے لکھا تھا۔ اس کتاب میں ٹیپو سلطان کی زندگی کے دل موہ لینے والے حالات کا تذکرہ پیش کیا گیا تھا۔ اس کتاب میں ٹیپو سلطان کو کئی ایک لحاظ سے خراج تحسین پیش کیا گیا تھا...... گاندھی اور کانگرس پارٹی سے ایک صد برس پیشتر ہندوستان کی آزادی کی جنگ کا ہیرو...... درحقیقت ٹیپو سلطان ہی وہ واحد ہندوستانی شہزادہ تھا جس نے یہ محسوس کیا تھا کہ انگریزوں کا مقصد ہندوستان کو غلام بنانا تھا۔

سویڈن کے سیاحوں کا گائیڈ ہونے کی حیثیت میں اس کتاب نے اس امر میں میری ازحد معاونت سرانجام دی کہ میں ٹیپو سلطان کی ایک دلکش تصویر پیش کرسکوں اور ان واقعات کی تفصیل بیان کرسکوں جو سرنگاپٹم کے گردونواح میں ظہور پذیر ہوئے تھے۔ مجھ پر یہ حقیقت بھی واضح ہوئی کہ اہل سویڈن ٹیپو سلطان کے بارے میں کچھ بھی نہ جانتے تھے۔ وہ مکمل طور پر اس سے لاعلم تھے۔

ٹیپو سلطان میں میری دلچسپی اس وقت اپنی انتہا کو پہنچی جب 1990ء میں گدوانی کی اس کتاب کو ہندوستانی ٹیلی وژن نے ایک ڈرامہ

سیریل میں ڈھالا اور اس ڈرامے کی کئی ایک اقساط پیش کی گئیں۔ اس ڈرامے نے بنیاد پرست ہندوؤں کے جذبات کو مشتعل کر کے رکھ دیا۔ انہوں نے احتجاج کرنا شروع کر دیا۔ گلیوں اور بازاروں میں مظاہرے کیے گئے اور بھوک ہڑتالیں بھی ہوئیں اور حکومت سے درخواست کی کہ اس ڈرامے کی اقساط ٹیلی وژن پر دکھائی بند کی جائیں۔

لیکن حکومت ہند نے اس احتجاج کا کوئی نوٹس نہ لیا۔ ہندوستان کی سپریم کورٹ نے وہ رٹ درخواست مسترد کر دی جس میں احتجاج کرنے والوں نے یہ استدعا کی تھی کہ اس ڈرامے کی اقساط ٹیلی وژن پر دکھائی بند کی جائیں اور ڈرامے کی اقساط برابر دکھائی جاتی رہیں۔ ہندوستان میں ٹیپو سلطان کے بارے میں مختلف رائے پائی جاتی ہے۔ کچھ حلقے اسے آزادی کی جنگ کا پہلا ہیرو تصور کرتے ہیں اور کچھ حلقے اسے ایک ظالم اور کٹر مسلمان تصور کرتے ہیں جو جنگی قیدیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتا تھا اور زبردستی لوگوں کے ختنے کرواتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس شہزادے کے بارے میں میری دلچسپی کو مزید تقویت میسر آئی اور میں نے یہ فیصلہ کیا کہ ٹیپو سلطان کی درست تصویر پیش کرنے کی غرض سے کچھ تحقیق و تفتیش سرانجام دی جائے۔ مجھے جلد ہی یہ معلوم ہوا کہ ٹیپو سلطان کے بارے میں گراں قدر مواد دستیاب تھا۔ تاریخ ہمیشہ فاتحین ہی تحریر کرتے ہیں اور ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد 19 ویں صدی میں جو کتب منظر عام پر آئیں وہ برطانوی لکھاریوں کی لکھی ہوئی تھیں اور صاف ظاہر تھا کہ وہ ٹیپو سلطان کو محض بُرا بھلا ہی کہہ سکتے تھے کیونکہ وہ ان کی راہ کی ایک بڑی رکاوٹ ثابت ہوا تھا...... اس نے ڈٹ کر انگریزوں کی مزاحمت سرانجام دی تھی...... وہ کس طرح اس کے بارے میں خیر کا کلمہ تحریر کر سکتے تھے۔ اس صدی میں تحریر کردہ تازہ کتب ٹیپو سلطان کے بارے میں ایک مختلف تصویر پیش کرتی ہیں۔

حقیقت کیا ہے؟

میں یہ دعویٰ ہرگز نہیں کرتا کہ میں نے زیر نظر کتاب میں ایک متنازعہ کردار کے ساتھ حقیقی انصاف کیا ہے...... اس کے بارے میں مکمل سچائی اور حقیقت کو بے نقاب کیا ہے۔ تاہم میں نے حقائق کو تلاش کرنے کی کوشش ضرور کی ہے۔ میں نے ٹیپو سلطان کی زندگی کے بارے میں مطالعہ سرانجام دیا ہے اور اس سلسلے میں ہر ممکنہ ذرائع سے استفادہ حاصل کیا ہے۔ کوئی بھی شخص یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ ٹیپو سلطان اور اس کا والد حیدر علی واحد ہندوستانی شہزادے تھے جو انگریزوں کے خلاف سینہ تان کر کھڑے ہوئے تھے۔ آغاز میں وہ کامیابی سے ہمکنار بھی ہوئے تھے اور انہوں نے انگریزوں کو ذلت آمیز شکست سے دوچار بھی کیا تھا اور بالآخر جب ٹیپو سلطان حتمی شکست سے دوچار ہوا تب ایک انگریز افسر نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ: ''اب ہندوستان ہمارا ہے۔''

مجھے یقین کامل ہے کہ اہل سویڈن اس غیر معمولی ہستی کے بارے میں جاننے میں گراں قدر دلچسپی رکھتے ہیں اور سویڈش لکھاریوں کی لیگ بھی اس غیر معمولی ہستی کے بارے میں جاننے میں گراں قدر دلچسپی رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے میری مالی معاونت بھی سرانجام دی ہے تاکہ میں ضروری تحقیق و تفتیش سرانجام دے سکوں اور میں ان کی اس مہربانی کے لئے تہہ دل سے ان کا شکر گزار ہوں۔ اس کتاب کا اب انگریزی ترجمہ بھی پیش کیا گیا ہے کیونکہ اہل ہند بھی ایک غیر ملکی لکھاری کے نظریات جاننے میں گراں قدر دلچسپی رکھتے ہوں گے۔ میں نے ان کتب اور دستاویزات کا

بھی مطالعہ سرانجام دیا تھا جو برٹش لائبریری لندن میں موجود تھیں اور لندن کے انڈیا آفس میں موجود تھیں ان کتب کے علاوہ ان اداروں میں بہت سا ریکارڈ اور خطوط بھی محفوظ تھے جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ٹیپو سلطان کے دور سے متعلق تھے۔ مدراس کے ریکارڈ آفس میں بھی اس دور سے متعلق مواد اور بہت سی دلچسپ دستاویزات موجود تھیں اور میں نے ان کے مطالعہ میں بھی کافی زیادہ وقت صرف کیا تھا۔ مزید برآں میں نے بذریعہ کار جنوبی ہندوستان کے اس علاقے کا سفر بھی سرانجام دیا جو کسی دور میں ٹیپو سلطان کی سلطنت تھی تاکہ میں نہ صرف ماحول کا بہ نفس نفیس جائزہ لے سکوں بلکہ ان قلعوں کو بھی دیکھ سکوں جو ٹیپو سلطان کے دور میں لڑی جانے والی لڑائیوں کی آماجگاہ تھے۔

میں بھگوان گدوانی کی کتاب کا انتہائی مشکور ہوں جس نے مجھے یہ تحریک بخشی کہ میں ٹیپو سلطان کا مطالعہ سرانجام دوں۔ میں بھگوان گدوانی کا بھی شکرگزار ہوں جس نے ٹیپو سلطان اور تاریخ پر میرے ساتھ سیر حاصل گفت وشنید سرانجام دی اور اپنا قیمتی وقت میری نذر کیا۔ اسٹاک ہام کے آرمی میوزیم کے نگران مسٹر ایرک ولبرگ نے بھی مجھے اس دور کے آتشیں اسلحے کے بارے میں گراں قدر معلومات فراہم کی تھیں۔

ٹیپو سلطان کا دور 1700ء کے آخری عشرے کا دور تھا اور میں نے یہ کوشش بھی کی ہے کہ جدید قارئین کرام کو اس دور کی دنیا کی زندگی کی صورتحال سے بھی آگاہ کر سکوں...... دوران جنگ اور دوران امن دونوں حالتوں میں اس دور کی دنیا کی زندگی کا منظر اپنے قارئین کرام کے سامنے پیش کر سکوں۔ یہ داستان نوآبادیاتی تاریخ کی ایک داستان بھی ہے...... ایک واضح مثال کہ کس طرح یورپی طاقتوں نے دنیا کے ایک بڑے حصے کو اپنا محکوم بنایا تھا۔

سیموئیل سٹرینڈبرگ

جنوبی ہندوستان کی منظر کشی

میسور کی جغرافیائی اور سیاسی خصوصیات

جنوب کی جانب ہندوستان ایک تکونی شکل کا حامل ہے۔ مغرب کی جانب بحیرہ عرب واقع ہے...... مشرق کی جانب خلیج بنگال واقع ہے اور جنوب کی جانب بحر ہند واقع ہے۔ زمین کا ایک بڑا حصہ سطح مرتفع پر مشتمل ہے جو دکن کہلاتا ہے۔ اس کی بلندی اوسط درجے کی حامل ہے (سطح سمندر سے 1000 تا 1200 میٹر بلند) لیکن ہموار سطح کئی ایک مقامات پر اونچے پہاڑوں کی حامل ہے جس کی بلندی جنوب میں 2500 میٹر ہے۔ سطح مرتفع مشرق اور مغرب کی جانب سلسلہ کوہ میں گھری ہوئی ہے۔ مغرب کی جانب کا ساحلی علاقہ مالا بار کہلاتا ہے...... مشرقی جانب کرناٹک کہلاتا ہے جبکہ پہاڑی سلسلہ بالترتیب مغربی اور مشرقی گھاٹ کہلاتا ہے۔ مغربی گھاٹ مشرقی گھاٹ کی نسبت زیادہ سیدھی ڈھلوان واقع ہوئی ہے۔ لیکن ٹیپو کے دور میں دونوں گراں قدر اہمیت کی حامل تھیں کیونکہ یہ ایک مشکل ترین رکاوٹ ثابت ہوتی تھیں اور پیش قدمی سرانجام دینے والی فوج کی راہ کی بڑی رکاوٹیں تصور کی جاتی تھیں۔

1700ء کے وسط میں جو ریاست میسور کی ریاست کہلاتی تھی وہ انتہائی جنوبی حصے اور بلند ترین سطح مرتفع اور مشرقی اور مغربی گھاٹ پر مشتمل تھی جو کہ ہمسایوں کے ساتھ قدرتی سرحدوں کی تشکیل سرانجام دیتے تھے۔

سرزمین کی سطح سمندر سے بلندی کی وجہ سے درجہ حرارت قدرے خوشگوار نوعیت کا حامل رہتا تھا جبکہ مغربی گھاٹ میں مون سون (موسم برسات) کے دوران ژالہ باری بھی ہوتی تھی۔

ٹیپو سے دور سے پیشتر دارالخلافہ میسور کہلاتا تھا لیکن ٹیپو نے اپنے دور حکومت میں دارالخلافے کو چندرہ کلومیٹر جنوب کی جانب ایک بڑے جزیرے پر منتقل کر دیا تھا۔ اس جزیرے کے ایک کونے پر قدیم وقتوں کا ایک مضبوط قلعہ تھا...... سرنگا پٹم ...... اور اس قلعے کے ارد گرد نیا دارالحکومت قائم کیا گیا تھا۔

علاقے کی زمین زرخیز تھی اور 1700ء میں بھی اس کا بڑا حصہ زیر کاشت تھا۔ لیکن کچھ رقبے پر جنگلات بھی تھے۔ علاقے کے کچھ حصوں میں چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں اور گہرے پہاڑی نالے بھی ہیں۔ اس کے علاوہ لاتعداد اونچی چٹانیں بھی موجود ہیں جو قابل غور حد تک بلندی کی حامل ہیں۔ ان کی بلندی اکثر 200 میٹر سے زائد ہے۔ شاید یہ پرانے آتش فشاں پہاڑ ہیں جو کہ اب مردہ ہو چکے ہیں۔ ٹیپو کے دور میں یہ چٹانیں فوجی نکتہ نگاہ سے انتہائی اہمیت کی حامل تھیں۔

◆

سیاسی نقشہ

سلطنت میسور زیادہ طاقت ور اور کم طاقت ور ہمسایوں میں گھری ہوئی تھی۔ شمال کی جانب عظیم ترین اور طاقت ور ہمسائے مرہٹے تھے۔ اس دور میں انہوں نے وسطی ہندوستان کے بہت سے حصوں کو محکوم بنا رکھا تھا اور اگرچہ میسور کے ساتھ ان کی سرحد ایک مختصر سرحد تھی لیکن انہوں نے اس دور کی فوجی اور سیاسی سرگرمیوں میں ایک اہم کردار ادا کیا تھا۔ مرہٹوں کا دارالحکومت پونا تھا۔ شمال کی جانب حیدرآباد واقع تھا اور اس کا دارالخلافہ بھی اسی نام کا حامل تھا۔ حیدرآباد کے حکمران کا خطاب ''نظام'' تھا۔ مرہٹوں کا لیڈر ''پیشوا'' کہلاتا تھا۔ مالابار کا ساحل کئی ایک شہزادوں کے زیر حکومت تھا جن میں سے تراونکور کے مہاراجہ جو انتہائی جنوب میں واقع تھا نے میسور کیلئے فیصلہ کن کردار سرانجام دیا تھا۔

تاہم وہ طاقت جس نے اہم ترین کردار سرانجام دینا تھا اور ایک بڑی طاقت کے روپ میں منظر عام پر آنا تھا..... جلوہ گر ہونا تھا...... وہ طاقت ایسٹ انڈیا کمپنی تھی۔ کمپنی کا قدیم ترین اڈا مدراس تھا جہاں پر ایک مضبوط قلعہ تعمیر کیا گیا تھا۔ اس قلعے کا نام فورٹ سینٹ جارج تھا اور جہاں پر ان کا تجارتی اسٹیشن ایک اہم ترین شہر کا روپ اختیار کر چکا تھا۔ ساحلی علاقہ کئی ایک حصوں میں منقسم تھا..... ہر حصے کا اپنا ایک مہاراجہ تھا۔ یہ شہزادے کمپنی پر زیادہ سے زیادہ انحصار کرتے تھے بالخصوص اس وقت سے جبکہ 1750ء اور 1760ء کے عشروں میں یورپی طاقتوں کی لڑائیوں کے ذریعے فرانسیسیوں کو تقریباً مکمل دیس نکالا مل چکا تھا۔

فرانسیسیوں کا بڑا اڈا مدراس کے جنوب میں واقع تھا۔ یہ ایک ایسا شہر تھا جس پر ٹیپو سلطان کے دور میں قابض طاقتیں بدلتی رہی تھیں۔ لیکن 1961ء تک یہ فرانسیسیوں کے زیر تسلط رہا تھا۔ تاہم اس تمام تر عرصے کے دوران فرانسیسی سپاہ کی ایک بہت بڑی تعداد ہندوستانی حکمرانوں کی فوج میں خدمات سرانجام دے رہی تھی اور ٹیپو سلطان بھی انہی شہزادوں میں سے ایک تھا۔ اس کی فوج میں بھی فرانسیسی سپاہ اپنی خدمات سرانجام دے رہی تھی۔

ہندوستان کے اس حصے میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا ایک دوسرا بڑا اڈا بمبئی تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ ٹیپو کے خلاف فوجی کارروائی کا مرکز یہی شہر تھا اور اس کے علاوہ مدراس کو بھی فوجی کارروائی کا مرکز ہونے کا شرف حاصل تھا۔ تاہم کمپنی کی اہم ترین کامیابی کلکتے کے ہمراہ بنگال پر قبضہ تھا۔ یہ وہ مقام تھا جہاں پر کمپنی کا گورنر جنرل رہائش پذیر تھا اور جہاں سے کمپنی کی مملکت پر حکمرانی سرانجام دی جاتی تھی۔ کم از کم گورنر جنرل کارن والس کے دور حکومت میں (1786ء تا 1793ء)

ہندوستان میں انگریزوں کی حصول طاقت کی داستان ایک قابل ذکر داستان ہے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی ایک تجارتی کمپنی تھی اور اس کمپنی کو ایک سیاسی سلطنت قائم کرنے سے کوئی غرض نہ تھی۔ اس کمپنی کے اغراض و مقاصد میں محض یہ نکتہ نظر کارفرما تھا کہ منافع بخش کاروبار سرانجام دیا جائے اور حصول منافع کو یقینی بنایا جائے۔ مزید برآں لندن میں کمپنی کے بورڈ آف ڈائریکٹرز نے ہندوستان میں روبہ عمل کمپنی کے حکام کو واضح ہدایات دے رکھی تھیں کہ وہ ہندوستان کی سیاست میں دخل اندازی سے گریز کریں۔ تاہم کمپنی اپنے کاروباری مفادات کے تحفظ کی خاطر اور اپنے کاروبار کو دوام بخشنے کی خاطر مختلف ریاستوں کے درمیان ہونے والی سیاسی رسہ کشی میں ملوث ہو گئی تھی اور کمپنی نے فوجی یونٹ بھی تشکیل دے لئے تھے تاکہ اپنی

طاقت اور قوت کا بخوبی مظاہرہ کر سکے۔ آغاز میں کمپنی نوآبادیاتی نظام سے ناخوش تھی۔ کمپنی کی یہ پالیسی ہرگز نہ تھی کہ ہندوستان میں نوآبادیاتی نظام قائم کیا جائے لیکن ہندوستان میں کمپنی کچھ اس قسم کے حالات سے دوچار ہوئی جنہوں نے ہندوستان میں انگریزوں کے اثر و رسوخ کو بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا۔ لہٰذا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ کمپنی اپنی کسی پالیسی کے مدنظر نہیں بلکہ حالات کے مدنظر ہندوستان کی سیاست میں ملوث ہوئی تھی۔

میسور کی لڑائیوں نے بھی ہندوستان کی سیاست میں اہم کردار سرانجام دیا۔ ان لڑائیوں کے بعد کمپنی نے ہندوستان کے ایک بڑے حصے پر شعوری طور پر اپنا تسلط جما لیا۔ روایتی طور پر اختیارات مقامی حکمرانوں کے پاس ہی رہے جبکہ حقیقی اختیارات انگریز حکام کے ہاتھوں میں مرکوز ہو کر رہ گئے۔ انگریز حکام ریاستی حکمرانوں کے درباروں میں چھا چکے تھے۔ اور پس پردہ حکمرانی سرانجام دے رہے تھے۔ ٹیپو سلطان کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ اس نے انگریزوں کی پس پردہ حکومت کرنے کی پالیسی کے سامنے سر تسلیم خم نہ کیا اور اس کے اس اعزاز کا اختتام ایک المیے کی صورت میں منظر عام پر آیا۔

1600ء کے عشرے کے دوران تمام تر ہندوستان پر مغل حکومت کر رہے تھے اور مغلیہ سلطنت قائم تھی اور اپنے عروج پر تھی۔ مغلیہ سلطنت کا دارالخلافہ دہلی تھا اور مغلیہ حکمران دہلی سے پورے ہندوستان پر حکومت کرتے تھے اور حکومتی امور بخوبی چلاتے تھے۔ مغل مسلمان تھے اور ان کے دور حکومت کے دوران بہت سے غیر مسلم بھی اسلام قبول کر چکے تھے۔ تاہم پونا کا پیشوا ہندو تھا لیکن نظام حیدرآباد مسلمان تھا۔ ٹیپو اور اس کا والد حیدر علی پیدائشی مسلمان تھے۔ یہ ایک ایسی حقیقت تھی جس نے تمام تر معاملے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ تاہم 1700ء کے عشرے میں مغلیہ سلطنت کے زوال نے بھی سیاسی افق پر اہم کردار ادا کیا۔ اگرچہ مقامی حکمران ہنوز سلطنت مغلیہ کی برتری اور اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرتے تھے لیکن عملی طور پر وہ مکمل طور پر آزاد ہو چکے تھے۔ لہٰذا مختلف حکمرانوں کے درمیان لڑائیاں اور ایک دوسرے کی مخالفت منظر عام پر آنے لگی۔ یہ ایک ایسی صورت حال تھی جسے کمپنی نے اپنے حق میں استعمال کیا اور اس سے خاطر خواہ استفادہ بھی حاصل کیا: ''لڑاؤ اور حکومت کرو''۔

بالآخر مغل شہنشاہ بذات خود کمپنی کا وظیفہ خوار بن گیا۔

حیدر علی اور اس کے بیٹے ٹیپو سلطان کے دور حکومت کے دوران میسور نہ صرف علاقائی لحاظ سے وسعت اختیار کر چکا تھا بلکہ اس کی قدر و منزلت اور خوشحالی میں بھی گراں قدر اضافہ ہوا تھا اور اس کے ہمسایہ میں واقع دیگر ریاستیں اس سے حسد کرنے لگی تھیں اور انگریز بھی اس سے خائف رہنے لگے تھے۔ وہ اس نکتہ نظر کے حامل تھے کہ ایک آزاد اور طاقتور ریاست میسور ان کے مقاصد کی تکمیل کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ تھی۔

ان کے اسی احساس نے انہیں میسور کی جنگوں کی جانب راغب کیا اور بالآخر وہ میسور کی آزادانہ حیثیت کو ختم کرنے میں کامیاب ہوئے۔

یہی وہ داستان ہے جس کو زیر نظر کتاب میں بیان کیا جائے گا۔

◆

1700ء کی دہائی کا ہندوستان

20ویں صدی میں رہنے والے لوگ 1700ء کی دہائی کے ہندوستان کا بمشکل ادراک کر سکتے ہیں۔ آج کل ذرائع آمد و رفت

اور ذرائع مواصلات برق رفتاری کے حامل ہیں اور دنیا کے کسی بھی حصے میں پیش آنے والے واقعات فوری طور پر تمام تر دنیا کی توجہ کا مرکز بن جاتے ہیں۔

200 برس قبل کی زندگی ہماری آج کی زندگی سے یکسر مختلف واقع ہوئی تھی اور اس دور کے لوگوں کا طرز زندگی بھی ہمارے دور کے طرز زندگی سے یکسر مختلف واقع ہوا تھا۔ ذرائع آمدورفت محدود تھے۔ ذرائع مواصلات محدود تھے۔ سفر خشکی کے راستے طے کیا جاتا تھا یا پھر سمندر کے راستے طے کیا جاتا تھا۔ سمندر کا سفر موسم کا مرہون منت تھا۔ یہ سفر موسم کے تابع تھا۔ اس کے علاوہ اس سفر میں ہوا کو کافی عمل دخل حاصل تھا۔

وہ انگریز جو ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت اختیار کرتے تھے وہ اپنے مادر وطن سے مکمل طور پر جدا ہو جاتے تھے۔ ان کو اپنے مادر وطن تا کلکتہ بحری سفر طے کرنے کیلئے پانچ یا چھ ماہ درکار ہوتے تھے اور ڈاک بھی اتنے ہی عرصے میں ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچتی تھی۔ ایک انگریز کیلئے یہ ضروری ہوتا تھا کہ وہ اپنے خط کے جواب کیلئے کم از کم ایک برس تک انتظار کرے۔ جب وہ گھر خط روانہ کرتا تھا تب اس کے گھر والوں تک یہ خط پہنچنے کیلئے چھ ماہ درکار ہوتے تھے اور اس انگریز تک اس خط کا جواب پہنچنے تک بھی مزید چھ ماہ درکار ہوتے تھے۔ لہذا اسے اپنے خط کا جواب موصول کرنے کیلئے کم از کم ایک برس تک انتظار کرنا پڑتا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ اہم ترین اور نازک ترین معاملات کے ضمن میں بھی کمپنی کے نمائندے لندن سے اپنے بورڈ آف ڈائریکٹرز کی ہدایات کا انتظار نہیں کر سکتے تھے کیونکہ ہدایات کے حصول کی خاطر انہیں کم از کم ایک برس تک انتظار کی زحمت اٹھانا پڑتی تھی اور یہ بھی ایک اہم وجہ تھی جس نے ہندوستان میں برطانوی راج قائم کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ گورنر آزادانہ طور پر روبہ عمل رہتا تھا اور کسی بھی صورت حال کی تکمیل کے بعد لندن میں اپنے بورڈ کو مطلع کرتا تھا۔ اہل میسور اور انگریزوں کے درمیان لڑی جانے والی میسور کی چوتھی لڑائی فروری 1799ء میں شروع ہوئی تھی اور اسی برس ماہ مئی میں اپنے اختتام کو پہنچی تھی۔ یہ لڑائی ٹیپو سلطان اور اس کی سلطنت کے زوال کا باعث ثابت ہوئی تھی۔ لندن میں بورڈ اس اہم ترین واقعہ کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا اور اس لڑائی سے قطعی طور پر لاعلم تھا حتیٰ کہ اسی برس ماہ اکتوبر میں گورنر ویلزلے کی اس لڑائی کے بارے میں رپورٹ لندن میں موصول ہوئی۔ اس وقت تک امن و امان بھی بحال ہو چکا تھا اور جنوبی ہندوستان میں ایک نیا سیاسی آرڈر بھی منظر عام پر آ چکا تھا۔ بورڈ اس کامیابی پر محض مشکور ہونے کے سوا کچھ بھی نہ کر سکتا تھا۔ لہذا بورڈ نے تشکرانہ انداز میں اس کامیابی کو تسلیم کر لیا۔

ٹیپو سلطان نے اپنے سفارت کار فرانس کی جانب روانہ کیے تھے تاکہ اہل فرانس کا مزید تعاون حاصل کر سکے۔ ان سفارت کاروں نے جولائی 1787ء میں اپنے سفر کا آغاز کیا تھا اور تقریبا ایک برس تک سفر طے کرنے کے بعد وہ فرانس کے ساحل پر پہنچنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ ابھی انہیں پیرس تک کا سفر بھی سرانجام دینا تھا۔ اس سفر میں بھی پانچ ماہ صرف ہوئے تھے اور 10 اگست 1788ء کو وہ فرانس کے اعلیٰ حکام سے ملاقات کرنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ ان کا واپسی کا سفر اکتوبر 1788ء تا مئی 1789ء تک جاری رہا۔ لہذا یہ سفارت کار دو برس کے عرصے کے بعد واپس ٹیپو سلطان تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ ان کے گھر پہنچنے کے بعد انقلاب فرانس منظر عام پر آ گیا۔ تاہم ہندوستان میں انقلاب فرانس کے بارے میں کوئی نہیں جانتا تھا۔ پیرس میں برپا ہونے والے انقلاب کے بارے میں ہندوستانی حکام لاعلم تھے۔ ان کو

1789ء کے موسم خزاں کے آخر میں اس انقلاب کے بارے میں خبر ہوئی تھی۔ ٹیپو سلطان اس امر کو بخوبی سمجھ چکا تھا کہ اب فرانس کی مدد کا حصول ناممکن تھا۔

ٹیپو سلطان کئی ایک لحاظ سے اپنے دور سے بہت آگے تھا۔ مواصلات کے میدان میں بھی اسے سبقت حاصل تھی۔ اس نے قاصد کبوتروں کا انتظام کر رکھا تھا۔ وہ دارالخلافے سے دیگر مقامات تک پیغام رسانی کا فریضہ سرانجام دیتے تھے۔ ایک تیز ترین گھوڑ سوار دارالخلافہ سے مطلوبہ مقام تک جو پیغام چار دن میں پہنچاتا تھا وہی پیغام یہ قاصد کبوتر محض 8 گھنٹوں میں مطلوبہ مقام تک پہنچا دیتے تھے۔

ٹیپو سلطان نے یہ کوشش بھی سرانجام دی تھی کہ وہ ان قاصد کبوتروں کی وساطت سے اپنے فوجی قلعوں کے ساتھ روابطے میں رہے۔ لیکن قاصد کبوتروں کی خدمات نہ صرف غیر یقینی کا شکار تھیں بلکہ بے قاعدگی کا بھی شکار تھیں۔

……

1700ء کی دہائی میں لڑی جانے والی لڑائیوں کی صورت حال

ٹیپو سلطان کے دور کی داستان کئی ایک لڑائیوں سے بھی مزین ہے۔ اس داستان میں کئی ایک فوجی مہمات بھی شامل ہیں۔ لہٰذا یہ ایک بہتر طرزِ عمل ہوگا کہ ان دنوں لڑی جانے والی لڑائیوں کی صورت حال پر کچھ روشنی ڈالی جائے۔ ٹیپو سلطان کے دور میں لڑی جانے والی لڑائیوں کی صورت حال کچھ یوں تھی کہ یہ لڑائیاں جنرل سروے اور مواصلاتی روابط کی حامل نہ تھیں۔ دشمن کی نقل و حرکت کی اکثر اوقات قطعاً کوئی خبر نہ ہوتی تھی اور دشمن کی چال ڈھال اور کارروائی کے بارے میں کچھ علم نہ ہوتا تھا بالخصوص اس وقت جبکہ وہ قدرے نزدیک پہنچ چکا ہوتا تھا۔ کمانڈنگ آفیسر کو گھوڑ سوار اسکاؤٹوں کی رپورٹوں پر انحصار کرنا پڑتا تھا اور اکثر اوقات یہ اسکاوٹ دشمن کے ہتھے چڑھ جاتے تھے اور یہی حال ان قاصدوں کا بھی ہوتا تھا جو احکامات ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے پر مامور ہوتے تھے یا مختلف رپورٹیں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے پر مامور ہوتے تھے۔ اس دور کی جنگ کی تاریخ اچانک حملوں کی حیران کن مثالیں بھی پیش کرتی ہے اور ایسے حملے عام طور پر کامیابی سے ہمکنار ہوتے تھے اگرچہ افواج کی پیش قدمی کی رفتار انتہائی سست ہوتی تھی۔

اس دور میں جدید اسلحہ موجود نہ تھا۔ لڑائیاں بندوقوں سے لڑی جاتی تھیں۔ یہ بندوقیں زیادہ سے زیادہ 50 میٹر تک مار کرتی تھیں اور دست بدست جنگ بھی عام تھی۔ لڑائی جلد ہی دست بدست لڑائی کی صورت اختیار کر جاتی تھی دست بدست لڑائی میں سنگینیں اہم کردار سرانجام دیتی تھی۔ مختلف اقسام کی تلواریں بھی لڑائی میں استعمال ہوتی تھیں۔

گھوڑ سوار دستے فوج کا ایک اہم حصہ تصور کیے جاتے تھے۔ اگرچہ یہ دستے بندوقوں سے بھی مسلح ہوتے تھے لیکن ان کا اہم ترین ہتھیار تلوار ہوتا تھا۔

ہلکی توپیں بھی جنگ میں اہم کردار ادا کرتی تھیں۔ ان کے گولے 9 پونڈ یا 18 پونڈ وزنی ہوتے تھے۔ یہ توپیں 1000 میٹر تک مار کرنے

کی صلاحیت کی حامل تھیں۔ توپ خانہ محاصرے کے دوران بھی اہم کردار ادا کرتا تھا۔ توپ خانے کے ذریعے دشمن کے قلعے میں شگاف ڈالے جاتے تھے ان شگافوں کے ذریعے پیدل فوج قلعے کے اندر گھس جاتی تھی۔

یورپی توپ خانہ ہندوستانی توپ خانے کے مقابلے میں برتر حیثیت کا حامل تھا۔ یورپی توپ خانے کا نہ صرف معیار اور اسلحہ برتر حیثیت کا حامل تھا بلکہ اہل یورپ توپ خانے کے استعمال میں بھی زیادہ مہارت کے حامل تھے۔

ٹیپو سلطان انوکھی ایجادات میں دلچسپی رکھتا تھا۔ لہٰذا اس نے ایک نیا ہتھیار متعارف کروایا تھا۔ یہ ایک راکٹ تھا۔ اس کی کارکردگی ناقص تھی انگریز اس ہتھیار کے بارے میں اس رائے کے حامل تھے کہ یہ ہتھیار محض ان کے گھوڑوں کو ڈرا سکتا تھا۔

ہندوستان میں جنگ کا ایک اپنا رواج تھا۔ دونوں دشمن اپنی فوجی طاقت وقوت کے بارے میں ایک دوسرے کو مطلع کرتے تھے اور مسلح مقابلے کے لئے وقت اور مقام کا تعین باہمی صلاح مشورے کے تحت کرتے تھے۔

سورج غروب ہونے پر جنگ ختم کر دی جاتی تھی۔

لیکن اہل یورپ اس طرز کی جنگ کے قائل نہ تھے۔ لیکن جلد ہی اہل ہند نے بھی اہل یورپ جیسا جنگی نمونہ اپنا لیا تھا اور اپنا روایتی انداز جنگ تبدیل کر دیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہندوستانی حکمرانوں نے بھی یورپی فوجی انسٹرکٹر بھرتی کر رکھے تھے جو ان کی افواج کو تربیت فراہم کرتے تھے۔ ٹیپو سلطان نے بھی ایسے انسٹرکٹر بھرتی کر رکھے تھے۔ لہٰذا اہل ہند بھی یورپی طرز پر جنگ لڑنے کے قائل ہو چکے تھے اور انہوں نے اپنے روایتی انداز جنگ کو پس پشت ڈال دیا تھا۔

اکثر ایسا ممکن ہوتا تھا کہ دونوں متحارب افواج ایک دوسرے کے سامنے خیمہ زن ہوتی تھیں (لیکن توپ خانے کی زد سے ہٹ کر خیمہ زن ہوتی تھیں) اور دونوں افواج ایک دوسرے کے رات کے آرام میں خلل اندازی کی کوشش نہیں کرتی تھیں کیمپ کے اردگرد سنتریوں کا گشت کرنا ایک یورپی طرز عمل تھا اور مابعد آہستہ آہستہ ہندوستانی افواج نے بھی اس طرز عمل کو اپنا لیا تھا۔

> انگریز رات کے وقت بھی دشمن پر حملہ آور ہونے سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ ایسی ہی جھڑپ کے دوران جس میں انگریز رات کو ٹیپو سلطان کی فوج پر حملہ آور ہوئے تھے ٹیپو سلطان کی فوج کے ایک سپاہی نے رات کے وقت دشمن کے حملہ آور ہونے کے طریق کار پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ: "میں ایسے لوگوں سے بات کرنا بھی گوارا نہیں کرتا جو رات کو چوروں کی طرح آتے ہیں اور اپنے دشمن پر حملہ آور ہوتے ہیں جبکہ ان کا دشمن اپنے دفاع کیلئے تیار نہیں ہوتا۔"

انگریزی فوج میں ہندوستانی سپاہ بھی کثیر تعداد میں موجود تھی اور اس سپاہ کو بھی یہ تربیت فراہم کی گئی تھی کہ وہ یورپی طریقہ کار کے تحت جنگ لڑیں۔

یہ رواج بھی عام تھا کہ جنگ سے پیشتر سپاہی "بھنگ" (نشہ آور...... حشیش کی طرز کی چیز) استعمال کرتے تھے تاکہ وہ اپنے خوف و ہراس پر قابو پا سکیں اور اپنی لڑائی کی صلاحیت کو بڑھا سکیں۔ موسیقی اور ڈھول بجا کر بھی حملہ آوروں کے حوصلے بڑھائے جاتے تھے اور اس مقصد کیلئے فوج میں

ڈھول پیٹنے والے بھی شامل کئے جاتے تھے۔ 1799ء کے معرکے میں زخمی ہونے والے افراد کی فہرست میں تین ڈھولچی بھی شامل تھے۔

جدید دور کے نظریات کے لحاظ سے پیش قدمی کرنے والی فوج انتہائی سست روی کے ساتھ پیش قدمی کرتی تھی۔ ایک دن کی پیش قدمی دس تا بیس کلو میٹر تک محدود ہوتی تھی اور پیش قدمی کی رفتار سڑک کی صورت حال اور موسم کی مرہون منت ہوتی تھی۔ اس دور میں یورپ میں موسم سرما کے دوران جنگ بندی سرانجام دی جاتی تھی۔ بالکل اسی طرح ہندوستان میں بھی مون سون (موسم برسات) کے موسم کے دوران جنگ بندی پر عمل درآمد کو ممکن بنایا جاتا تھا کیونکہ اس موسم میں بے تحاشہ بارشیں برستی تھیں اور یہ دورانیہ مخالفین کے لئے آرام اور سکون کا دورانیہ ہوتا تھا۔

پیش قدمی کرنے والی فوج محض لڑاکا فوج پر ہی مشتمل نہ ہوتی تھی بلکہ عام طور پر اس فوج میں سویلین کا ایک گروہ بھی شامل ہوتا تھا اور ان کی تعداد سپاہ کی تعداد سے پانچ گنا زیادہ ہوتی تھی۔

انگریز فوج کے تمام افسران خدمت گزاروں کی ایک قابل غور حد تک تعداد کے حامل تھے۔ فوج کے کمانڈنگ جرنیل کے ہمراہ کم از کم 40 خدمت گزار ہوتے تھے جو مختلف امور کی سرانجام دہی پر مامور ہوتے تھے۔ خدمت گزاروں کی تعداد عہدے کے لحاظ سے ہوتی تھی۔ ایک کپتان کیلئے 20 خدمت گزار مخصوص ہوتے تھے جبکہ کپتان سے کم تر عہدے دار کیلئے 10 خدمت گزار مخصوص ہوتے تھے۔ ہر گھوڑ سوار کے ساتھ دو معاون ہوتے تھے۔ ایک معاون گھوڑے کو چارہ وغیرہ ڈالنے پر مامور ہوتا تھا جبکہ دوسرا معاون بطور سائیس خدمات کی سرانجام دہی پر مامور ہوتا تھا۔ 1700ء کی دہائی میں ہندوستان میں ایک انگریز فوجی افسر اس وقت تک میدان جنگ میں روبہ عمل نہیں ہوسکتا تھا جب تک وہ درج ذیل لوازمات کا حامل نہ ہو:

☆ ایک خدمت گزار لڑکا

☆ ایک باورچی

☆ ایک گھوڑ سوار

☆ گھوڑے کو چارہ وغیرہ ڈالنے کے لئے ایک خدمت گزار

☆ 4 بیل گاڑیاں ہمراہ دو عدد ڈرائیور

یا

12 تا 15 قلی اگر بیل دستیاب نہ ہوں

فوجی کیمپ کی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے ہر ایک انگریز فوجی افسر درج ذیل دیگر لوازمات کا بھی حامل ہوتا تھا:

☆ ایک خیمہ

☆ ایک بڑا اور آرام دہ پلنگ

☆ گدے اور تکیے

- چند کرسیاں
- ایک عدد میز جو تہ کی جا سکتی ہو۔
- روشنی مہیا کرنے کیلئے چند موم بتیاں
- چھ تا سات عدد سوٹ کیس جن میں کھانے پینے کے برتن وغیرہ رکھے ہوتے تھے۔
- ملبوسات کا ایک ذخیرہ (کم از کم 24 سوٹ)
- شراب کی چند درجن بوتلیں
- چائے
- چینی
- بسکٹ
- دودھ کیلئے ایک بکری
- خدمت گزاروں کے خیمے جن میں وہ رات کو آرام کر سکیں۔ یہ خیمے اسی نمونے کے حامل ہوتے تھے جس نمونے کے حامل عام سپاہ کے خیمے ہوتے تھے۔

یہ سمجھنا ایک مشکل امر نہیں ہے کہ ایک ایسی فوج جس کے ہمراہ کثیر تعداد میں مویشی اور لوگ موجود ہوں اپنی سپلائی لائن کو بمشکل ہی بحال رکھ سکتی تھی اور اگر دشمن اس کی سپلائی لائن پر حملہ آور ہوتا اور اسے اپنا نشانہ بناتا تب ایسی فوج کی حالت قابل رحم ہو سکتی تھی۔ یہ ایک ایسی فوجی کمزوری تھی جس سے ٹیپو سلطان خاطر خواہ فائدہ اٹھا سکتا تھا۔

سپاہ عام طور پر اپنی فیملیاں (خاندان...... کنبے) بھی اپنے ہمراہ رکھتی تھی جو اپنی بیل گاڑیوں میں سفر طے کرتی تھیں۔ فوجی قافلے میں تاجر حضرات اور کاریگر حضرات بھی شامل ہوتے تھے جو کہ تمام اقسام کی خدمات مہیا کرتے تھے۔ سپاہ کی ہر ایک کمپنی اپنے باورچی کی حامل ہوتی تھی۔ ایک فوجی قافلہ جب پیش قدمی کرتا تھا اس وقت اس میں سینکڑوں بیل گاڑیاں' سامان سے لدے ہوئے خچر اور ہاتھی موجود ہوتے تھے۔

ہر ایک جرنیل کے لئے یہ ضروری ہوتا تھا کہ وہ سپلائی کے مشکل ترین مسائل سے بخوبی نپٹ سکے اور ہر ایک معرکے سے قبل محتاط انداز سے یہ تخمینہ لگایا جاتا تھا کہ خوراک کے موجود ذخیرے کے ہمراہ کس قدر پیش قدمی ممکن ہو سکتی تھی۔ مقامی آبادی سے بھی حصول خوراک کی کوشش سرانجام دی جاتی تھی۔ یہ خوراک خرید بھی کی جاتی تھی اور لوٹ مار کے ذریعے بھی حاصل کی جاتی تھی۔ لیکن یہ خوراک اکثر ناکافی ثابت ہوتی تھی۔

اگر کسی بڑی اور بہترین ہتھیاروں سے لیس فوج کا خوراک اور ایندھن اپنے اختتام کو پہنچ جاتا تھا تو وہ فوج محض تین یا چار روز میں ہی ہتھیار ڈال دیتی تھی۔ ٹیپو سلطان کے دور میں ایندھن انسانوں کی خوراک کو کہا جاتا تھا اور گھوڑ سواروں کے گھوڑوں کے لئے چارے کو ایندھن کہا جاتا تھا اور سینکڑوں بیلوں کے لئے بھی خوراک کی ضرورت درپیش ہوتی تھی جو کہ سامان سے لدے ہوئے چھکڑے کھینچ رہے ہوتے تھے۔ ان حالات کے تحت دشمن کی فوج کے خلاف ایک مؤثر کارروائی اس کارروائی کو تصور کیا جاتا تھا جس کے تحت اسے ایک لمبی اور وقت برباد کرنے والی پیش قدمی میں الجھایا جائے اور اس کی سپلائی لائن کو منقطع کر دیا جائے اور ان قافلوں کو تباہ و برباد کر دیا جائے جو تازہ سپلائی کی فراہمی کو یقینی بنانے پر مامور ہوتے تھے۔ اگر یہ ہتھکنڈے کامیابی سے ہمکنار ہو جاتے تھے تب جنگ لڑے بغیر ہی دشمن کو تباہی سے ہمکنار کرنا ممکن ہوتا تھا۔

ٹیپو سلطان انتہائی ہوشیاری کے ساتھ حکمت عملی ترتیب دینے کا عادی تھا اور وہ ان ہتھکنڈوں کے استعمال سے بھی بخوبی واقف تھا اور وہ اس امر سے بھی بخوبی واقف تھا کہ اپنی فوج کو کس طرح دشمن پر برتری دلانا ممکن تھا۔

ٹیپو سلطان چونکہ اپنی آبائی سرزمین پر جنگ لڑ رہا تھا لہٰذا اسے سپلائی کے سلسلے میں کم دشواریاں درپیش تھیں کیونکہ اہل میسور کے پاس لاتعداد قلعے موجود تھے۔ یہ قلعے نہ صرف قلعہ بندی کے کام آتے تھے بلکہ ان قلعوں میں کثیر مقدار میں خوراک اور اسلحہ اور دیگر فوجی ساز و سامان بھی ذخیرہ کیا جا سکتا تھا۔

برطانوی فوجی دستوں کیلئے فوجی زندگی میں ہاتھی ایک انوکھی چیز تھی اور ہاتھی انتہائی کارآمد بھی ثابت ہوئے تھے۔ توپ خانے کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا ایک اہم ترین مسئلہ تھا بالخصوص بری صورت حال کی حامل سڑکوں پر ان کی باربرداری انتہائی مشکل کام تھا۔ بھاری اسلحہ چھکڑوں کے ذریعے ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل کیا جاتا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ اسلحہ سے لدے ہوئے چھکڑے فوجی قافلے سے پیچھے رہ جاتے تھے۔ لہٰذا بقایا فوج کو ان کے انتظار میں رکنا پڑتا تھا۔

لہذا توپوں کو کھینچنے کیلئے ہاتھی انتہائی کارآمد ثابت ہوئے تھے اور توپ خانہ بھی دیگر فوجی قافلے کے ہمراہ سفر طے کرنے کے قابل ہوا تھا۔ اب فوجی قافلے میں رک کر یہ انتظار نہیں کرنا پڑتا تھا کہ توپ خانہ بھی ان کے ساتھ آن ملے اور وہ اپنی پیش قدمی دوبارہ شروع کر سکیں۔ مزید برآں ہاتھیوں کے لئے کسی خصوصی خوراک کا بندوبست نہیں کرنا پڑتا تھا بلکہ وہ ایسے چارے پر گزارا کر لیتے تھے جسے بیل کھانے سے انکار کر دیتے تھے۔

سامان حرب کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک منتقل کرنا ایک انتہائی مشکل امر ثابت ہوتا تھا بالخصوص سامان حرب کو میسور منتقل کرنا ایک مشکل امر تھا۔

نام نہاد بمبئی۔ آرمی جو 1791-92ء میں میسور پر حملہ آور ہونے والی فوج کا ساتھ دینے کیلئے آئی تھی......اس فوج نے 17 دسمبر کو ایک درے کے ذریعے اوپر چڑھنے کے عمل کا آغاز کیا تھا۔ اسے چڑھائی چڑھنے میں انتہائی دقت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ بیل اس قدر توانا اور مضبوط نہ تھے کہ وہ سامان حرب کو اوپر کھینچ سکیں۔ لہذا بھاری توپوں کو کھینچنے کے لئے پلیاں اور بلاک استعمال کرنا پڑے تھے۔ یہ بھی عین خوش قسمتی تھی کہ اس مقام پر درخت بہتات میں موجود تھے اور ان درختوں کے ساتھ رسوں کو باندھتے ہوئے حصول مقصد میں کامیابی حاصل کی گئی تھی۔ 18 جنوری تک تمام فوج بمشکل چڑھائی چڑھنے میں کامیاب ہوئی تھی۔ اس فوج کے پاس سامان حرب کے 86 چھکڑے اور 40 دن کا راشن موجود تھا۔ اس فوج میں 120,000 بیل بھی موجود تھے۔

کمپنی کے فوجی دستے جو انگریزوں کے علاوہ ہندوستان سپاہ پر مشتمل تھے......یہ فوجی دستے ہندوستانی فوجی دستوں کے مقابلے میں بہتر تربیت یافتہ تھے۔

1792ء میں سرنگا پٹم پر حملہ آور ہونے کی تیاریوں کے دوران انگریزوں نے اپنے فوجی دستوں کے معائنے کا اہتمام کیا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ انگریز نظام اور اس کے جرنیلوں کو متاثر کرنا چاہتے تھے۔ انگریز میزبانوں نے وقت کی پابندی پر از حد زور دیا تھا۔ مہمانوں کو بارہ بجے پہنچنے کی دعوت دی گئی تھی۔ تاہم انگریز میزبان اس امر کو نظر انداز کر گئے تھے کہ ایک ہندوستانی اعلیٰ عہدے دار ہمیشہ دیر سے پہنچتا تھا......اور اس طرح وہ اپنی اہمیت جتاتا تھا۔ وہ دوسروں کو انتظار کی زحمت میں مبتلا کرنے کے عمل کو اپنا رتبہ بڑھانے کا عمل تصور کرتا تھا۔

چنانچہ 12 بجے کی بجائے تین بجے مہمان کی آمد ہوئی۔ نظام ایک بہترین سجے سجائے ہاتھی پر سوار تھا اور اس کے ہمراہ سینکڑوں لوگ پا پیادہ چل رہے تھے۔ لوگوں کا ایک بے ہنگم ہجوم نظام کے ہمراہ چلا آ رہا تھا جو شور و غل بھی مچا رہا تھا۔ دوسری جانب میزبان سرخ وردیوں میں ملبوس ......چمکتے ہتھیاروں سے لیس......نظم و ضبط اور خاموشی کے ساتھ کھڑے تھے......اس معائنے نے حقیقت میں اس مقصد کو پورا کر دیا تھا جس مقصد کے لئے اس معائنے کو ترتیب دیا گیا تھا......مہمان از حد متاثر ہوئے تھے اور شاید انہیں انگریز فوج کی برتری پر بھی یقین آ گیا تھا۔

فوجی طبی سروس

جب قارئین کرام ٹیپو سلطان کے دور کی جنگوں کا تذکرہ پڑھتے ہیں تو وہ یہ جان کر حیران ہوتے ہیں کہ کسی بھی لکھاری نے ہلاک شدگان

اور زخمی سپاہ کے مسائل پر کوئی روشنی نہیں ڈالی ہوتی۔

اس حقیقت کا ادراک ہوتا ہے کہ افواج میں طبی یونٹ موجود نہ تھے بالخصوص ہندوستان میں افواج میں طبی یونٹ موجود نہ تھے۔ زخمیوں کی دیکھ بھال ان کے احباب سرانجام دیتے تھے بشرطیکہ حالات ان کو ایسا کرنے کی اجازت فراہم کریں۔ جیسا کہ پہلے تذکرہ کیا جا چکا ہے کہ انگریز فوجی افسروں کے ہمراہ خدمت گزاروں کی ایک کثیر تعداد موجود ہوتی تھی اور یہ خدمت گزار اپنے زخمی افسر کی دیکھ بھال کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ انگریز افواج کے ہمراہ چند ایک سرجن بھی موجود ہوتے تھے۔ وہ سپاہ جو اپنی فیملیوں کے ہمراہ روبہ عمل ہوتی تھی ان میں سے اگر کوئی زخمی ہو جاتا تھا تب فطری طور پر اس کی فیملی اس کی دیکھ بھال کا فریضہ سرانجام دیتی تھی۔

اگر فوج کیلئے میدان جنگ سے فرار حاصل کرنا ضروری ہوتا تو زخمیوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا تھا...... ان کو ان کی قسمت پر چھوڑ دیا جاتا تھا...... وہ اپنی قسمت کے رحم و کرم پر ہوتے تھے اور اکثر ایسے زخمی دردناک موت سے ہمکنار ہوتے تھے۔

کسی بھی معرکے کے دوران زخمیوں اور ہلاک شدگان کو لوٹ کھسوٹ کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔ ان کے لباس اتار لئے جاتے تھے...... ان کے ہتھیاروں پر قبضہ کر لیا جاتا تھا...... ان کی جیبوں کی تلاشی لی جاتی تھی اور ان کی جیبوں سے رقوم نکال لی جاتی تھی۔ یہ سب کچھ جنگ کا ایک حصہ تصور کیا جاتا تھا۔

* * *

جنگی قیدی

جنگ میں نہ صرف فوجی تشدد کا نشانہ بنتے ہیں بلکہ شہری اور جنگی قیدی بھی تشدد کا نشانہ بنتے ہیں۔ تمام تر جنگوں میں یہی کچھ دیکھنے میں آتا ہے اور جنگ میں شریک تمام تر ممالک یہی سب کچھ کرتے ہیں حتیٰ کہ آج کے جدید دور میں بھی یہی سب کچھ دیکھنے کو ملتا ہے حالانکہ جنیوا کنونشن بھی موجود ہے لیکن اس پر عمل درآمد کو ممکن نہیں بنایا جاتا۔

ٹیپو سلطان کی جنگیں جو ہمارے اس دور سے بہت پہلے لڑی گئی تھیں جو دور انسانیت کا علمبردار ہے وہ جنگیں بھی شہریوں اور جنگی قیدیوں پر تشدد روا رکھنے میں اپنی مثال آپ تھیں۔ شہریوں اور جنگی قیدیوں پر بے پناہ مظالم ڈھائے جاتے تھے۔ جنگی قیدیوں کو بغیر کسی ہچکچاہٹ کے ہلاک کر دیا جاتا تھا اور کبھی کبھار جنگی قیدیوں کے ناک اور کان کاٹ لئے جاتے تھے اور انہیں چھوڑ دیا جاتا تھا۔ کبھی کبھار جنگی قیدیوں کو محض اس لئے زندہ رکھا جاتا تھا کہ مابعد سرانجام دی جانے والی امن گفتگو کے دوران انہیں ایک سرمایے کے طور پر استعمال کیا جا سکے۔

ٹیپو سلطان کے دور میں بھی کئی ایک انگریز فوجی افسر اور سپاہی جنگی قیدی بنائے گئے تھے اور ان کو برس ہا برس تک قید رکھا گیا تھا۔ ان جنگی قیدیوں نے ایک لمبے عرصے تک قید و بند کی تکالیف برداشت کی تھیں لیکن اس کے باوجود بھی وہ زندہ سلامت رہے تھے۔ یہ امر اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ان قیدیوں کے ساتھ ناروا سلوک روا نہ رکھا گیا تھا۔ انگریزوں کا یہ پراپیگنڈہ بے بنیاد تھا کہ ٹیپو سلطان جنگی قیدیوں کے ساتھ ناروا سلوک

روا رکھتا تھا اور ان کو تشدد کا نشانہ بناتا تھا اور ان کو بالآخر ہلاک کر دیتا تھا۔ کمپنی اور ٹیپو سلطان کے درمیان خط و کتابت کا ایک مکمل ریکارڈ موجود ہے۔ اس ریکارڈ میں کوئی ایسی دستاویزات موجود نہیں ہیں جن کے تحت ٹیپو سلطان سے یہ درخواست کی گئی ہو کہ وہ مخصوص جنگی قیدیوں کو رہا کر دے۔ انگریز ہر ایک لڑائی کے بعد اپنے آدمیوں کا مکمل ریکارڈ رکھتے تھے۔ وہ زخمیوں کی فہرستیں تیار کرتے تھے اور لازمی طور پر ان کے پاس یہ ریکارڈ بھی موجود تھا کہ ان کے کتنے آدمی ٹیپو سلطان کی قید میں تھے۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ٹیپو سلطان کے خلاف افواہیں بے بنیاد تھیں۔ اگر امن معاہدوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ٹیپو سلطان نے انگریز افسران کو اپنی حراست میں رکھا ہوتا تب ان کی رہائی کیلئے سرکاری خطوط لازما موجود ہوتے جن کے تحت ان کی رہائی کا مطالبہ کیا گیا ہوتا۔

حقیقت یہ تھی کہ ٹیپو سلطان جنگی قیدیوں کے ساتھ غیر انسانی سلوک روا رکھنے کا قائل نہ تھا بلکہ جنگی قیدیوں کے ساتھ اس کا رویہ انسانیت کے تقاضوں کے عین مطابق تھا۔

◆

ہندوستان اور یورپی نوآبادیاتی طاقتیں

ہندوستان ایک پُرکشش تجارتی اہمیت کا حامل ملک تھا اور اہل یورپ کو بھی اس کی اس اہمیت کا بخوبی ادراک تھا۔ 1400ء میں واسکو ڈے گاما نے ہندوستان کا راستہ دریافت کیا تھا۔ اس سے پیشتر بحیرہ عرب پر عربوں کا تجارتی قبضہ تھا۔ وہ ہندوستان اور افریقہ/ یورپ کے ساتھ تجارتی سرگرمیاں سرانجام دیتے تھے۔ واسکو ڈے گاما ایک پرتگالی تھا اور پرتگالیوں نے پہلے پہل ہندوستان میں تجارتی مراکز قائم کئے تھے(1520ء کا عشرہ)۔ ان میں اہم ترین تجارتی مرکز گوا تھا جو 1961ء تک پرتگالیوں کے تسلط میں رہا تھا۔ تاہم پرتگالی ہندوستان میں وسیع پیمانے پر نوآبادیاتی نظام قائم کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ ان کا تسلط محض ساحلوں تک ہی محدود تھا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی 1600ء میں قائم ہوئی تھی اور اس وقت کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ 200 برس بعد یہی تجارتی کمپنی ہندوستان میں ایک غالب قوت ہوگی۔

ہندوستان کے افق پر رونما ہونے والی دوسری بڑی یورپی طاقت فرانس تھا۔ دیگر یورپی طاقتیں جنہوں نے ہندوستان کے ساحلوں تک رسائی حاصل کی تھی ان میں ہالینڈ، ڈنمارک اور سویڈن شامل تھا۔ سویڈن نے 1733ء میں ہندوستان میں ایک تجارتی مرکز قائم کرنے کی کوشش سرانجام دی تھی۔ اس نے یہ تجارتی مرکز کرناٹک کے ساحل پر قائم کرنا چاہا تھا...... مدراس کے جنوب میں...... لیکن وہ ناکامی سے دوچار ہوئے تھے۔ اہل سویڈن کو انگریزوں اور فرانسیسیوں نے باہم مل کر نکال باہر کیا تھا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان میں 1616ء میں قائم ہوئی تھی اور کرناٹک کے ساحل پر اس کمپنی نے ایک تجارتی مرکز قائم کیا تھا۔

لہٰذا وہ یورپی طاقتیں جنہوں نے ہندوستان میں اہم کردار سرانجام دیا محض انگلستان اور فرانس تھا۔ اور یہی دو طاقتیں میسور اور ٹیپو سلطان

کے لئے انتہائی اہمیت کی حامل تھیں ٹیپو سلطان انگریزوں اور ہندوستان میں انگریزوں کے اقتدار کے خلاف تھا۔ وہ فرانسیسی فوجی امداد کے حصول کا خواہاں تھا۔ وہ اس نکتہ نظر کا حامل تھا کہ فرانسیسی فوجی امداد انگریزوں کو ہندوستان سے نکال باہر کرنے کیلئے ناگزیر تھی۔ اس نے ہندوستانی حکمرانوں کو بھی انگریزوں کے خلاف باہم متحد کرنے کی کوشش سرانجام دی لیکن اس کی یہ کوشش کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکی۔ اپنی اس کوشش میں وہ انگریزوں کی ماہرانہ ڈپلومیسی سے مات کھا گیا تھا۔ اس ڈپلومیسی کے تحت انگریز ہندوستانی حکمرانوں کو اپنا کنٹرول اور برتری تسلیم کرنے پر آمادہ کر چکے تھے اور اس مقصد کے لئے انہوں نے جائز اور ناجائز دونوں طریقے استعمال کئے تھے۔ لیکن ٹیپو سلطان انگریزوں کی برتری تسلیم کرنے پر آمادہ نہ تھا اور اس کا یہی طرز عمل بالآخر اس کے زوال کا باعث ثابت ہوا۔

* * *

ٹیپو سلطان کی پیدائش اور بچپن

عظیم ہستیوں کے تصورات اور نظریات کے علاوہ ان کی پیدائش کی داستانیں بھی دہرائی جاتی ہیں......رقم کی جاتی ہیں۔ ٹیپو بھی انہی عظیم ہستیوں میں سے ایک ہے جن کی پیدائش اور نظریات کی داستانیں رقم کی جاتی ہیں۔

ٹیپو کے باپ کا نام حیدر علی تھا۔ حیدر علی کی پہلی بیوی نے اسے محض ایک لڑکی سے نوازا تھا اور زچگی کے دوران ہی وہ فالج کے حملے کا شکار ہو گئی تھی۔ اس کی ایک بہترین دوست نے اس کی تیمارداری اور نگہداشت سرانجام دی۔ اس دوست کا نام فخر النساء تھا اور یہ فخر النساء کچھ عرصہ بعد حیدر علی کی دوسری بیوی بنی تھی۔ حیدر علی نے اس امید کے پیش نظر اس سے شادی کی تھی کہ عین ممکن تھا کہ وہ اسے ایک لڑکے سے نوازے......ایک وارث سے نوازے۔ تاہم شادی کے پانچ برس بعد بھی فخر النساء کی گود ہری نہ ہوئی تھی۔

حیدر علی کے علاقے میں اللہ تعالیٰ کے ایک برگزیدہ بندے کا مزار تھا۔ اللہ تعالیٰ کے اس برگزیدہ بندے کا نام ٹیپو مستان تھا۔ اس بے اولاد جوڑے نے اللہ تعالیٰ کے اس برگزیدہ بندے کے مزار کا رخ کیا تا کہ اللہ تعالیٰ سے اولاد خصوصاً بیٹے کے حصول کی دعا کی جا سکے۔ حیدر علی ایک کٹر مذہبی شخص نہ تھا بلکہ وہ ایک سپاہی کی ناشائستہ زبان استعمال کرنے کا عادی تھا اور اپنے دوستوں کے ہمراہ شراب سے بھی دل بہلاتا تھا اور نازیبا داستانیں بیان کرتا رہتا تھا۔ لیکن اپنی بیوی کی درخواست پر وہ اس کے ہمراہ اللہ تعالیٰ کے اس برگزیدہ بندے کے مزار پر حاضری دینے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ اس نے مزار پر خرچ کرنے کے لئے کثیر رقم نذرانے کے طور پر بھی پیش کی۔ فخر النساء اس مزار پر سات یوم تک مقیم رہی اور عبادت میں مصروف رہی اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتی رہی۔

بالآخر اس درگاہ کے متولی نے فخر النساء کو یہ نوید سنائی کہ:

''اسے دو بیٹوں کی ماں بننے کا اعزاز حاصل ہوگا''

اس متولی نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے مزید کہا کہ:

"لیکن ان بیٹوں کا کیا فائدہ جو جنگ میں مارے جائیں گے۔"

فخر النساء نے چلاتے ہوئے کہا کہ:

"نہیں...... وعدہ کرو کہ میرے بیٹے زندہ سلامت رہیں گے۔"

متولی نے جواب دیا کہ:

اگر تم یہ وعدہ کرو کہ تمہارے ہاں جو پہلا بیٹا جنم لے گا تم اسے خدائے بزرگ و برتر کے ایک خادم کے طور پر وقف کر دو گی۔ وہ محض خدائے بزرگ و برتر کی خدمت سرانجام دے گا اور اس کے علاوہ کسی کی خدمت سرانجام نہیں دے گا۔"

فخر النساء نے جواب دیا کہ:

"تمہارا بہت شکریہ...... میں وعدہ کرتی ہوں کہ وہی کچھ کروں گی جو کچھ کرنے کیلئے تم نے مجھے کہا ہے"۔

فخر النساء جب رخصت ہونے کے لئے اپنی پالکی میں بیٹھی تب اس متولی نے چلاتے ہوئے کہا کہ:

"تمہارا بیٹا ایک سلطان ہوگا۔ لہٰذا کہو کہ مقدس ٹیپو!"

لہٰذا حیدر علی کے پہلے بیٹے کا نام اس کی پیدائش سے پیشتر ہی رکھ دیا گیا تھا۔

اس مزار کی زیارت کے نو ماہ بعد ٹیپو سلطان نے جنم لیا۔ اسے "سلطان" کا نام پہلے ہی روز سے عطا کر دیا گیا اور اس نام کو اس نے تخت نشین ہونے کے بعد نہیں اپنایا تھا۔

ٹیپو سلطان کی ولادت کے بعد چار برس مزید گزر چکے تھے لیکن ابھی دوسرے فرزند کی آمد نہ ہوئی تھی۔ اب ٹیپو سلطان کی تعلیم و تربیت کا بھی آغاز ہو چکا تھا اور چونکہ اس کا مستقبل غیر یقینی تھا لہٰذا اسے مذہبی اور ادبی مضامین میں تعلیم دی جا رہی تھی اور اس کے علاوہ گھوڑ سواری اور دیگر امور کی تربیت بھی فراہم کی جا رہی تھی۔ اس نے انتہائی برق رفتاری کے ساتھ لکھنا اور پڑھنا سیکھ لیا تھا اور اوائل عمر میں ہی خوش نویسی میں بھی مہارت حاصل کر لی تھی۔ حیدر علی نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ اگر اس کا بیٹا اکلوتا ہی رہا تب وہ اسے خدا کے لئے وقف نہیں کرے گا بلکہ اسے شاہی امور کی تربیت دے گا اور اپنے جانشین کے طور پر تیار کرے گا۔

تاہم پانچویں برس کے دوران ٹیپو سلطان کی والدہ از سر نو حاملہ ہو گئی۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ حیدر علی ڈنڈی گل کی جانب پیش قدمی کر رہا تھا۔ ایک بڑا فوجی قافلہ اس کے ہمراہ تھا۔ اس فوجی قافلے کا ہراول دستہ 30 افراد پر مشتمل تھا اور اس ہراول دستے کی کمان حیدر علی بذات خود سرانجام دے رہا تھا۔ ٹیپو سلطان اور حاملہ ماں بھی اس فوجی قافلے کے ہمراہ ایک پالکی میں سفر کر رہے تھے۔ محافظوں کا ایک دستہ ان کی نگرانی پر مامور تھا۔ ٹیپو سلطان کے لئے ایک ٹٹو (خچر) کا بھی بندوبست کیا گیا تھا اور اس کو یہ اجازت فراہم کی گئی تھی کہ جب وہ پالکی کے سفر سے اکتا جائے تب وہ اس ٹٹو پر سوار ہو کر سفر طے کر سکتا تھا۔ لیکن جب پہاڑی علاقے میں پیش قدمی جاری تھی اس وقت ٹیپو سلطان سے ٹٹو پر سفر طے کرنے کی اجازت واپس لے لی گئی تھی۔ لیکن ٹیپو سلطان بضد تھا کہ وہ پہاڑی علاقے کے سفر کے دوران بھی اپنے ٹٹو پر سواری کرے گا۔ بالآخر خادمین نے اس

کے باپ کو بلوا بھیجا تا کہ وہ آ کر بذاتِ خود اپنے صاحب زادے کو سمجھائے۔ ٹیپو سلطان کی اس نافرمانی کی بدولت اس کے باپ حیدر علی کی جان بچ گئی تھی کیونکہ جب حیدر علی ٹیپو سلطان کو سمجھانے کے لئے اس کے پاس آیا تھا تب ہراول دستے پر اچانک حملہ ہوا تھا اور اس دستے کے 30 افراد میں سے 28 افراد ہلاک ہو گئے تھے۔ اس کے بعد پیش قدمی جاری رکھنے سے پیشتر حیدر علی کی سپاہ کو کئی گھنٹوں تک جنگ لڑنی پڑی تھی۔ اسی جنگ کے دوران فخر النساء دردِ زہ میں مبتلا ہو گئی اور اس نے اپنی پالکی میں ہی اپنے دوسرے بیٹے کو جنم دیا۔ حیدر علی کے اس بیٹے نے لڑائی کے عین درمیان میں جنم لیا تھا۔ یہ بچہ دو ماہ قبل از وقت پیدا ہوا تھا۔

نومولود کو کریم کا نام دیا گیا۔ وہ کئی ہفتوں تک زندگی اور موت کی کشمکش کا شکار رہا۔ اس کے علاوہ وہ از حد کمزور بھی تھا کیونکہ اس کی پیدائش قبل از وقت ہوئی تھی۔

جب معالجوں نے یہ خوش خبری سنائی کہ کریم اب خطرے سے باہر تھا تب حیدر علی کی خوشی دیدنی تھی۔ بچہ اب نارمل ہو چکا تھا...... تخت کا وارث جنم لے چکا تھا!

اب ٹیپو سلطان کی تعلیم کا رخ مذہب اور فلسفے کی جانب موڑ دیا گیا تھا۔ حیدر علی نے اس کے لئے دو اتالیق مقرر کئے تھے۔ ایک اتالیق مسلمان تھا اور دوسرا اتالیق ایک ہندو تھا۔ حیدر علی نے واشگاف الفاظ میں یہ اعلان کیا تھا کہ چونکہ میسور کی زیادہ تر آبادی ہندوؤں پر مشتمل تھی لہٰذا ٹیپو سلطان کو دونوں مذاہب کی دانشوری سے استفادہ حاصل کرنا چاہئے تھا۔ یہ اعلان اس نے اس بنا پر کیا تھا کہ ٹیپو سلطان کا مسلمان اتالیق حیدر علی کی موجودگی میں اس کے ہندو اتالیق کو بُرا بھلا کہتا تھا۔ ٹیپو سلطان نے اپنے بچپن میں جو مذہبی تعلیم حاصل کی اس تعلیم کے اثرات اس کی تمام تر زندگی کے دوران اس پر نمایاں رہے اور اس تعلیم نے اس کی زندگی کو ایک مثالی رنگ میں رنگ دیا۔ یہ ایک ایسا رنگ تھا جو اس دور کے شہزادوں کیلئے موزوں تصور نہ کیا جاتا تھا۔ حربی رموز سے آشنا کرنے کیلئے ٹیپو سلطان کے لئے جس اتالیق کا انتخاب کیا گیا تھا اس کا نام غازی خان تھا۔ اس اتالیق نے ٹیپو سلطان کو کچھ اس طرح تربیت فراہم کی تھی کہ جب وہ گھوڑ سواری یا تیر اکی کا مقابلہ جیتتا تھا تو وہ جیت کی خوشی میں دیوانہ نہ ہوتا تھا اور جب وہ مقابلہ ہارتا تھا تب وہ اپنے مدمقابل کو مبارکباد پیش کرتا تھا۔ جیت یا ہار اس کے نزدیک کوئی معنی نہ رکھتی تھی۔ نشانہ بازی کی مشق کے دوران ٹیپو سلطان نے پرندوں کو نشانہ بنانے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ کسی جاندار کو اپنی گولی کا نشانہ نہیں بنانا چاہتا تھا۔

⁂

حیدر علی کے خلاف بغاوت

حیدر علی کے خلاف ایک بغاوت نے سر اٹھایا اور اسے سرنگاپٹم سے فرار ہونا پڑا۔ اس کے دونوں بیٹے...... ٹیپو سلطان اور کریم جن کی عمریں بالترتیب 10 برس اور 5 برس تھیں...... دونوں بیٹوں کو وہ اپنے ہمراہ نہ لے جا سکا اور یہ دونوں بیٹے اب باغیوں کے رحم و کرم پر تھے۔ باغیوں نے دونوں کو گرفتار کر لیا تھا۔ وہ خوش تھے کہ ان کے پاس گراں قدر یرغمالی موجود تھے۔ دونوں لڑکوں کو ایک اونچے مینار میں نظر بند کر دیا گیا تھا اور ان پر سخت پہرہ بٹھا دیا گیا تھا۔ لیکن باغیوں نے ان دونوں لڑکوں کے ساتھ ناروا سلوک روا نہ رکھا تھا بلکہ ایک بہتر سلوک روا رکھا تھا۔

تاہم نوجوان ٹیپو سلطان نے حوصلہ نہ ہارا۔ اس نے ایک روشن دان کے ذریعے اپنا پیغام بھیجنے کا بندوبست کیا اور اس پیغام کی وساطت سے وہ ایک رسہ اور ایک ریتی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ ریتی کی مدد سے اس نے سلاخوں کو کاٹا۔ چونکہ اسی رات مون سون کی تیز بارش برس رہی تھی لہٰذا ریتی چلانے کی آواز بارش کے شور میں دب کر رہ گئی تھی۔ ٹیپو نے اپنے چھوٹے بھائی کو اپنی پشت پر لادا اور رسے کی مدد سے اس مینار سے نیچے اتر آیا اور رات کے اندھیرے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دونوں بھائی قصبے سے باہر ایک محفوظ مقام پر چھپ گئے۔

ٹیپو سلطان اور اس کے بھائی کے فرار ہونے کا سختی سے نوٹس لیا گیا اور ان کی نگرانی پر مامور محافظوں کے سر فوراً قلم کر دیے گئے۔ شہر کی تلاشی لی گئی اور ہر جگہ دونوں لڑکوں کو تلاش کیا گیا لیکن بے سود۔ قصبے کے ایک خاندان کو یہ معلوم تھا کہ دونوں لڑکے کہاں چھپے ہوئے تھے۔ لیکن اس خاندان میں اتنی جرأت اور حوصلہ نہ تھا کہ وہ دونوں لڑکوں کو کھانا فراہم کرتا۔ اس خاندان کی ایک نوجوان لڑکی نے ان دونوں لڑکوں کی جائے پناہ کا پتہ چلا لیا تھا اور رات کے اندھیرے میں اس نے گھر سے کچھ کھانا چرایا اور دونوں لڑکوں کو یہ کھانا پہنچا دیا۔ اس لڑکی کا نام رقیہ تھا اور مابعد اسے ٹیپو سلطان کی دلہن بننے کا شرف حاصل ہوا۔

اس دوران ہندوؤں کا تہوار ہولی منایا گیا۔ اس تہوار کے موقع پر نوجوان بہت سے مذاق کرتے ہیں...... وہ ایک دوسرے پر رنگ دار پانی پھینکتے ہیں۔ ان نوجوانوں نے ان دونوں بھائیوں پر بھی بخوبی رنگ پھینکا اور انہیں قصبے سے باہر نکالنے کا بندوبست سرانجام دیا۔ اس موقع پر ٹیپو سلطان نے اپنے چہرے پر شیر کا ماسک پہنا اور یہ پہلا موقع تھا کہ وہ ایک شیر کے روپ میں جلوہ گر ہوا تھا۔

اس واقعہ کے فوراً بعد حیدر علی واپس آن پہنچا تھا اور بغاوت کچلنے اور اپنی نمایاں حیثیت برقرار کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔

……

کریم تخت کا وارث نہ بن سکا

کریم نے تخت کا وارث بننا تھا...... اسے اپنے باپ کا جانشین بننا تھا۔ نومولود کریم اپنی متواتر ہنسی سے اپنے اردگرد کے لوگوں کو خوشی سے ہمکنار کرتا تھا۔ بالآخر اس کے بارے میں یہ انکشاف ہوا کہ وہ ایک نارمل بچہ نہ تھا۔ جب اس کی عمر چند برس ہوئی تب یہ محسوس کیا گیا کہ اس میں خلل دماغ کی علامات پائی جاتی تھیں۔ اس کا علاج معالجہ کروایا گیا اور بہترین معالجوں کے علاج معالجہ کے باوجود بھی وہ صحت یاب نہ ہو سکا۔ لہٰذا اسے تخت کا وارث بنانے کا فیصلہ بدل دیا گیا۔ دوسری جانب ٹیپو سلطان کی مذہبی تعلیم منقطع کر دی گئی اور اسے فوجی امور کی تربیت فراہم کی جانے لگی۔ اب ٹیپو سلطان کی عمر 12 برس تھی۔

……

باپ اور بیٹا...... حیدر علی اور ٹیپو سلطان

ہندوستان اس دور میں مختلف ریاستوں میں منقسم تھا۔ مغلیہ دور حکومت کے دوران 1500ء تا 1600ء آگرہ یا دہلی میں عظیم مغل ایک بڑی طاقت کے حامل تھے اور ریاستوں کے حکمران ان کے باجگزار تھے اور ان کی درخواست پر انہیں فوجی دستے بھی مہیا کرتے تھے۔

1700ء کے عشرے میں جب سلطنت مغلیہ زوال کا شکار ہوئی تب مقامی ریاستیں آزادانہ حیثیت کی حامل بن گئیں لیکن یہ ریاستیں آپس میں برسرپیکار ہوگئیں اور اس صدی نے بہت سی ریاستی لڑائیاں اور جنگیں دیکھیں۔ یہ جنگیں ریاستی حکمرانوں کے درمیان لڑی گئی تھیں حتیٰ کہ ایسٹ انڈیا کمپنی پورے ہندوستان پر چھا گئی اور اس نے پورے ہندوستان پر اپنی گرفت مضبوط کرلی۔ انتشار کے اس دور میں ہی حیدر علی اور ٹیپو سلطان منظر عام پر آئے۔

ٹیپو سلطان کے آباؤاجداد کے بارے میں زیادہ وضاحت دستیاب نہیں ہے۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ٹیپو سلطان کے آباؤاجداد کا تعلق شرفا اور امراء کے خاندان سے نہ تھا۔ یہ گمان کیا جاتا ہے کہ اسکے آباؤاجداد شمال کی جانب سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ لیکن انہیں معاشرے میں نمایاں مقام حاصل نہ تھا۔ اس کے کئی ایک آباؤاجداد مختلف ریاستی حکمرانوں کی افواج میں فوجی خدمات سرانجام دیتے تھے اور ٹیپو سلطان کا والد حیدر علی بھی فوج میں خدمات کی سرانجام دہی پر مامور تھا اور اسی پیشے سے وابستہ ہونے کی بنا پر بام عروج تک جا پہنچا تھا۔

حیدر علی 1721ء میں پیدا ہوا تھا اور 1740ء میں اسے ریاست میسور کی فوج میں ایک چھوٹے عہدے پر تعینات کیا گیا تھا۔ اپنی ان خدمات کی بجاآوری کے دوران اس نے اپنی قابلیت کا لوہا منوایا تھا۔ وہ ایک اچھا منتظم اور اچھا رہنما ثابت ہوا تھا۔ 1749ء میں بنگلور کے شمال میں واقع ایک چھوٹے سے قلعے کے محاصرے کے دوران بھی اس نے اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا لہٰذا اس کے عہدے میں اضافہ کر دیا گیا تھا۔ اس قلعے کے محاصرے کے دوران حیدر علی کی فیملی بھی اس کے ہمراہ تھی اور اسی دوران اس کے ہاں 20 نومبر 1750ء کو ٹیپو سلطان نے جنم لیا تھا۔

اس وقت میسور کا راجہ ایک عمر رسیدہ شخص تھا جس کو اس کے دو وزراء نے حقیقی اختیارات سے محروم کر رکھا تھا...... یہ دونوں وزراء دو بھائی تھے۔ ان کا نام نجا راج اور دیوراج تھا۔ نجا راج کی رہنمائی میں میسور کرناٹک ایریا میں جانشینی کی ایک لمبی جنگ میں ملوث تھا جہاں پر حیدرآباد کا نظام ...... انگریز ...... اور فرانسیسی بھی ملوث تھے۔ حیدر علی نے بھی اپنے فوجی دستوں کے ہمراہ اس مہم میں حصہ لیا تھا اور پہلی مرتبہ اس کا سامنا یورپی طرز جنگ سے ہوا تھا۔ لہٰذا اس نے وقت ضائع کئے بغیر اپنی افواج کی تربیت کیلئے کئی ایک فرانسیسی فوجی افسران کا تقرر کیا۔

بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کرنے پر حیدر علی کو جنوبی میسور میں ضلع ڈنڈی گل سونپ دیا گیا تھا۔ اس نے اس ضلع کا نظام بخوبی چلایا اور اس نے اس ضلع سے گراں قدر لگان وصول کیا۔ اس نے لگان کی وصولی کے نظام کو بہتر بنایا اور لگان وصول کرنے والے بددیانت افراد کو برطرف کرتے ہوئے دیانت دار افراد کا تقرر کیا۔ اس نے میسور کے حکمرانوں کو ان کی امید سے تین گنا زائدہ آمدنی پیش کی۔ اس نے اپنی مختصر فوج میں بہتری لانے کی غرض سے بھی کچھ رقم خرچ کی۔ فرانسیسی اہلکاروں کی نگرانی میں اب اس کی فوج ایک جدید توپ خانے کی حامل بن چکی تھی۔ بطور ایک منتظم اس کی

کامیابی حیرت انگیز تھی کیونکہ وہ مکمل طور پر غیر تعلیم یافتہ تھا...... ان پڑھ تھا...... وہ نہ ہی پڑھ سکتا تھا اور نہ ہی لکھ سکتا تھا۔ اس کے پاس قدرتی ذہانت موجود تھی۔ وہ اپنی فطری ذہانت کے بل بوتے پر فوجی اور انتظامی امور بخوبی چلاتا تھا۔ جنگ کی ایک وجہ دونوں حکمران بھائیوں کے درمیان انتشار بھی تھا اور راجہ بھی اپنی حیثیت سے مطمئن نہ تھا بلکہ عدم طمانیت کا شکار تھا۔ مزید براں فوج کو کافی عرصے سے تنخواہوں کی ادائیگی نہ کی گئی تھی اور بغاوت کے آثار رونما ہو رہے تھے۔

اس صورت حال میں حیدر علی نے قابل ذکر سفارتی مہارت کے ساتھ مداخلت سرانجام دی۔ اس نے دونوں بھائیوں کے درمیان مصالحت کروانے کا بندوبست کیا...... راجہ کو بھی تحفظ کی یقین دہانی کروائی...... اور فوجی دستوں کو اپنی جیب سے ادائیگی کی (جنگ کے دوران مال غنیمت اکٹھا کرنے کی بدولت وہ کافی امیر ہو چکا تھا اور مال غنیمت اکٹھا کرنے کا عمل درآمد ان دنوں ایک نارمل عمل درآمد تصور کیا جاتا تھا اور اسے معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔)

1758ء میں جب مرہٹوں نے میسور پر ایک نیا حملہ کیا اس وقت حیدر علی کو فوج کا کمانڈر انچیف مقرر کیا گیا تھا اور وہ کامیابی سے ہمکنار ہوا تھا۔ اس نے مرہٹوں کے خلاف کامیابی حاصل کی تھی حالانکہ مرہٹے اس کی نسبت بہتر صورت حال کے حامل تھے اور حیدر علی کی فوج تعداد کے لحاظ سے بھی مرہٹوں کی فوج سے کہیں کم تھی۔ بالآخر مرہٹے پسپائی اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے تھے اور حیدر علی کو میسور کا نجات دہندہ قرار دیا گیا تھا اور انعام میں بنگلور کا ضلع اس کے حوالے کر دیا گیا تھا۔

دونوں بھائی...... نجا راج اور دیوراج منظر سے غائب ہو گئے...... ایک بھائی موت سے ہمکنار ہو گیا اور دوسرے بھائی نے استعفیٰ پیش کر دیا۔ اب حیدر علی کے لئے میدان صاف تھا۔ تاہم حیدر علی کا نیا عہدہ اچانک اور غیر متوقع طور پر ایک خطرے کا شکار ہوا۔ اس کا ایک وفادار اور سالہا سال کا ساتھی براہمن کھانڈے راؤ...... اس نے راجہ کے ساتھ خفیہ ساز باز کرتے ہوئے حیدر علی کے خلاف ایک سازش تیار کی...... اس کا مقصد یہ تھا کہ حیدر علی کو منظر سے ہٹا کر وہ بذات خود اس کی جگہ لے سکے۔ چند ماہ تک حیدر علی ایک نازک صورت حال سے دوچار رہا اور اسے سرنگاپٹم سے راہ فرار اختیار کرنا پڑی اور اپنی فیملی کو قسمت کے رحم و کرم پر چھوڑنا پڑا۔ بالآخر وہ نئے فوجی دستے تیار کرنے میں کامیاب ہوا۔ اس کے کچھ رشتے داروں نے اس سلسلے میں اس کی معاونت سرانجام دی اور اس نے دوبارہ دارالخلافے کی جانب پیش قدمی کی۔

حیدر علی نے کسی معرکہ آرائی کے بغیر ہی کھانڈے راؤ سے چھٹکارا حاصل کرنے کا بندوبست سرانجام دیا۔ اس نے جعلی خطوط کا بندوبست کیا جو کھانڈے راؤ کے جرنیلوں کو لکھے گئے تھے اور یہ اہتمام بھی کیا کہ یہ خطوط کھانڈے راؤ کے مخبروں کے ہتھے چڑھ جائیں۔

اس تمام تر کارروائی کے نتیجے میں کھانڈے راؤ نے یہ سوچا کہ بازی اس کے ہاتھ سے نکل چکی تھی اور وہ سب کچھ کھو چکا تھا۔ لہٰذا اس نے اپنی فوج کو چھوڑ دیا۔ اس کے بعد جلد ہی اسے گرفتار کر لیا گیا اور ایک ظالمانہ سزا سے نوازا گیا...... اسے ایک چھوٹے سے پنجرے میں بند کیا گیا اور رعایا کی نمائش کیلئے رکھ دیا گیا۔ اسے نیم فاقہ کشی کی حالت میں رکھا جاتا تھا اور اس طرح چند برسوں کے اندر اندر وہ موت سے ہمکنار ہو گیا۔ اس کی ہڈیاں کئی برسوں تک اسی پنجرے میں پڑی رہیں اور ایک غدار کے عبرت ناک حشر کو بیان کرتی رہیں۔

حیدر علی اب میسور کا بلا شرکت غیرے حکمران تھا۔ یہ 1761ء کا برس تھا اور ٹیپو سلطان کی عمر اس وقت گیارہ برس تھی۔

آنے والے برس جنگ و جدل سے بھرپور برس تھے...... پہلے مرہٹوں کے ساتھ لڑائیاں ہوتی رہیں اور مابعد مالابار ساحل کے مختلف مقامی حکمرانوں کے ساتھ لڑائیاں ہوتی رہیں جن کے نتیجے میں میسور کی ریاست وسعت پذیر ہوتی چلی گئی۔ منگلور اور کوچین کی اہم بندرگاہیں بھی ریاست میسور کی محکوم ہو گئیں۔ اب میسور ایک بحری طاقت کے طور پر بھی منظر عام پر آیا تھا۔

ساحلی ریاستوں کو فتح کرنے کا عمل ایک شریفانہ طرز عمل نہ تھا۔ تشدد یا تشدد کی دھمکی ایک معمول کا عمل تھا۔ مزاحمت کو بھرپور تشدد کے ساتھ کچلا گیا تھا...... کئی سو افراد کو تختہ دار پر لٹکایا گیا تھا یا دیگر طریقہ کار کے تحت موت سے ہمکنار کیا گیا تھا۔ تاہم وہ لوگ جو ختنے کروانے پر رضامند ہو گئے تھے اور اسلام مقبول کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے ان کی جان بخشی کی گئی تھی۔ وہ دور ظلم و تشدد کا دور تھا۔

……

ٹیپو سلطان عملی فوجی تربیت کے میدان میں

مرہٹوں کے ساتھ جنگ اور ساحلی علاقوں کو محکوم بنانے کا عمل ٹیپو سلطان کی بلوغت کے ساتھ مطابقت رکھتا تھا۔ ٹیپو سلطان کی عمر جب پندرہ برس ہوئی تب اسے یہ اجازت فراہم کی گئی کہ وہ اپنے والد کے ہمراہ جنگ میں حصہ لے سکتا تھا اور اس مقصد کیلئے اسے ایک مختصر فوجی دستے کی کمان سونپی گئی تھی۔ اس نے انتہائی دلچسپی کے ساتھ فوجی پیش قدمی اور لڑائیوں میں شرکت کی اور جلد ہی اپنی کامیابی کے جھنڈے گاڑ دیے اور فوجی میدان میں نام کمایا۔

اس کے اور اس کے کارہائے نمایاں کے بارے میں بہت سی داستانوں کی بازگشت سنائی دے رہی تھی۔ ایک مرتبہ حیدر علی اپنے ایک بددیانت اور سرکش اہلکار کی سرکوبی کیلئے روانہ ہوا۔ ٹیپو سلطان بھی اس کے ہمراہ تھا۔ حیدر علی نے ٹیپو سلطان کو حکم دیا کہ وہ 2,000 گھوڑ سواروں کے ہمراہ پس منظر میں رہے۔ اس کے ساتھ اس کا فوجی اتالیق بھی تھا جو ایک تجربہ کار جرنیل تھا۔ اس کا نام غازی خان تھا۔ باپ نے بیٹے سے یہ وعدہ کیا کہ وہ ہر گھنٹے بعد محاذ جنگ کی رپورٹ اپنے بیٹے کو بھجواتا رہے گا۔ لیکن حسب وعدہ کوئی رپورٹ موصول نہ ہوئی۔ یہی وجہ تھی کہ ٹیپو سلطان پریشان اور فکرمند ہوا۔ لہٰذا غازی خان نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ 500 افراد کی نفری کے ہمراہ حیدر علی کی مدد کو پہنچے اور بقایا 500 افراد کی نفری کے ہمراہ ٹیپو سلطان اسی مقام پر اس کا انتظار کرے۔ لیکن نوجوان ٹیپو صبر نہ کر سکا اور کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد وہ بھی بقایا 500 افراد کی نفری کے ہمراہ میدان جنگ کی جانب روانہ ہو گیا۔ اچانک وہ اس خیمے تک جا پہنچا جس خیمے میں اس سرکش اہلکار کا حرم تھا۔ حرم کی حفاظت پر مامور چند سپاہی ہلاک کر دیے گئے اور چیختی چلاتی ہوئی خواتین کو ایک دوسرے خیمے میں بطور جنگی قیدی منتقل کر دیا گیا۔

تاہم حرم کی حفاظت پر مامور ایک سپاہی راہ فرار اختیار کرنے میں کامیاب ہو گیا اور اس نے اس سرکش اہلکار کو اس حادثے کے بارے میں بتایا۔ حیدر علی اور اس کی سپاہ کی حیرانگی کی کوئی حد نہ رہی جب اس سرکش اہلکار نے سفید جھنڈا لہراتے ہوئے ہتھیار پھینک دیے اور لڑائی اپنے

اختتام کو جا پہنچی۔

لڑائی کے خاتمے کے بعد حیدر علی کی فوج کے کچھ اہلکاران قیدی خواتین کے خیمے میں آن پہنچے اور ایک فوجی نے ایک خاتون کو خیمے سے باہر گھسیٹا۔ صاف ظاہر تھا کہ اس نے اس خاتون کو محض اس لئے قابو کیا تھا کہ اس کے ساتھ وہی کچھ کیا جائے جو سپاہی اور فوجی افسر قیدی خواتین کے ساتھ کرتے تھے۔ نوجوان ٹیپو نے اس فوجی افسر کو حکم دیا کہ وہ اس قیدی اور مجبور خاتون کو چھوڑ دے۔ لیکن جواب میں اس فوجی افسر کے چہرے پر ایک مکروہ مسکراہٹ رونما ہوئی۔

اگلے ہی لمحے ٹیپو سلطان کی گولی نے اس فوجی افسر کے سر کو پاش پاش کر کے رکھ دیا۔ اس واقعہ کے بعد دیگر فوجی افسر ہراساں ہو گئے اور خوف زدہ ہو کر وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے اور قیدی خواتین کی جان میں جان آئی۔

جلد ہی حیدر علی بھی اس مقام پر پہنچ چکا تھا۔ وہ اپنے بیٹے سے بغل گیر ہوا اور اسے مبارکباد دی۔

حیدر علی نے اپنے بیٹے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ:

”مانگو کیا انعام مانگتے ہو؟“

اس نے مزید کہا کہ:

”یہ خواتین ایک دلکش تاوان ہیں۔ یہ خواتین تمہاری قیدی ہیں۔“

ٹیپو سلطان نے جواب دیا:

”لیکن یہ خواتین اور بچے ہیں۔ کیا ہم ان کے خلاف جنگ کریں گے؟“

بالآخر خواتین کو آزاد کر دیا گیا اور وہ سرکش اہلکار اس قابل بھی نہ رہا تھا کہ اظہار تشکر کر سکے۔

اس نے رخصت ہوتے وقت یہ الفاظ کہے کہ:

”میں خوف و ہراس کے پیش نظر تمہارے باپ کے سامنے جھکتا تھا لیکن ٹیپو سلطان میں عزت و احترام کے پیش نظر تمہارے سامنے جھکتا ہوں۔“

مرہٹوں کے خلاف ایک اور معرکے کے دوران اسی قسم کا ایک اور واقعہ پیش آیا۔ دشمن کی کچھ خواتین کو جنگی قیدی بنا لیا گیا تھا۔ ٹیپو سلطان نے ان خواتین کو یہ پیش کش کی کہ انہیں اس شرط پر رہا کر دیا جائے گا کہ وہ اپنے خاوندوں کو اس امر کی جانب راغب کریں کہ وہ حصول امن کی خاطر گفت وشنید کا آغاز کریں۔ ان خواتین کو قیمتی تحائف سے نوازا گیا اور انہیں واپس مرہٹوں کے خیموں کی جانب روانہ کر دیا گیا۔ انہوں نے اپنے خیموں میں پہنچنے کے بعد ٹیپو سلطان کی از حد تعریف کی اور اپنے خاوندوں کو بتایا کہ ٹیپو سلطان کے آدمیوں نے ان کی بے حرمتی نہ کی تھی۔ بالآخر وہ اپنے مشن میں کامیاب ہوئے۔

ٹیپو سلطان نے اپنے لئے اور میسور کے لئے شیر کو ایک علامت کے طور پر منتخب کیا تھا اور میسوری سپاہ کی وردیوں پر شیر کی تصویر بنی ہوتی

تھی۔ اس نے اپنے لئے ایک تخت بھی بنوایا تھا لیکن شاید اس نے یہ تخت بھی استعمال نہ کیا تھا۔ اس تخت کو بھی شیروں نے اٹھا رکھا تھا اور اس کی سجاوٹ کے لئے بھی شیر کا سر استعمال کیا گیا تھا۔

ٹیپو کے پاس کئی ایک شیر تھے جو پنجروں میں بند تھے یہ پنجرے سرنگاپٹم کے محل کی گراؤنڈوں میں رکھے تھے۔ ان میں سے کچھ شیر سدھائے ہوئے تھے اور ان کو پنجروں سے باہر نکالا جاتا تھا اور وہ کتوں جیسے طرز عمل کا مظاہر کرتے تھے۔

……

فرنگیوں اور میسور کی پہلی لڑائی (1767ء تا 1769ء)

جغرافیائی اعتبار سے ریاست میسور طاقت ور ہمسایوں میں گھری ہوئی تھی۔ یہ ہمسائے اس ریاست سے حسد بھی کرتے تھے اور اس کی مخالفت پر بھی کمربستہ تھے۔ یہ ریاست ایک مشکل ترین صورت حال کا شکار تھی۔ آنے والے عشروں کے دوران میسور کو مجبور کیا گیا کہ وہ کئی ایک محاذوں پر جنگ لڑے کیونکہ پانچ مختلف سمتوں سے دشمن اس ریاست پر بیک وقت چڑھائی کر سکتا تھا۔ حیدر علی شاید اس صورت حال کو اپنے بیٹے ٹیپو سلطان سے بہتر اور واضح طور پر سمجھتا تھا کہ فوجی قوت کو ڈپلومیسی کا تعاون بھی حاصل ہونا چاہئے۔ ہمارے دور کا فوجی۔ سیاسی منظر مختلف جارحانہ اور دفاعی اتحادوں کا مرہون منت ہے۔ خفیہ بات چیت سرانجام دی جاتی ہے اور خصوصی سفارت کاری بھی سرانجام دی جاتی ہے اور سیاسی بالادستی کے حصول کے لئے راہ ہموار کی جاتی ہے۔ مختصر یہ کہ سیاسی منصوبہ بندی سرانجام دی جاتی ہے۔

ریاست میسور کے ہمسائے حیدر علی کے برسر اقتدار آنے پر چونکے ضرور تھے مگر انہوں نے اس معاملے کو سنجیدگی کے ساتھ نہیں لیا تھا۔ وہ ایک مسلمان حکمران تھا جس نے میسور کے اقتدار پر قبضہ کیا تھا۔ لہٰذا کمپنی...... حیدر آباد اور مرہٹوں نے یہ سوچا کہ وہ حیدر علی کو نیچا دکھانے کے معاملے میں مشترکہ مفاد کے حامل تھے۔ لہٰذا وہ اس کے خلاف مشترکہ کارروائی کو خارج از امکان نہ سمجھتے تھے۔

……

مرہٹوں کے ساتھ پہلی لڑائی

حیدر علی خطرے کو بھانپ چکا تھا۔ لہٰذا اس نے گفت وشنید کے لئے اپنے سفارت کار روانہ کئے۔ ان سفارت کاروں نے جلد ہی یہ محسوس کیا کہ مرہٹے جنگ کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔ حیدر علی نے یہ فیصلہ کیا کہ بہترین دفاع اپنے دشمنوں پر حملہ آور ہونا تھا پیشتر اس کے کہ اس کے دشمن اس کے خلاف اپنی منصوبہ بندی مکمل کر لیں۔ لہٰذا اس نے مرہٹوں کے علاقے پر حملہ کر دیا اور آغاز میں چند ایک کامیابیاں بھی حاصل کیں۔ لیکن مرہٹوں نے جوابی کارروائی کی اور اسے امن کی درخواست کرنا پڑی۔ امن بات چیت مئی 1768ء کو اپنے اختتام کو پہنچی اور اس شرط پر اپنے اختتام کو پہنچی کہ حیدر علی کو نہ صرف مفتوحہ علاقے خالی کرنا ہوں گے بلکہ تاوان جنگ بھی ادا کرنا ہوگا۔ اگرچہ یہ ایک واضح شکست کی علامت تھی لیکن حیدر علی کے لئے یہ ایک سفارتی فتح تھی کیونکہ وقتی طور پر اس کا بدترین دشمن اس کا پیچھا چھوڑ چکا تھا اور اس امر کے لئے وہ اپنے سفارت کار کا شکر گزار

تھا۔ اس سفارت کار کا نام اپاجی رام تھا۔ وہ ایک ہندو تھا اور ایک ماہر سفارت کار تھا۔

◆

کمپنی کے خلاف نظام کے ساتھ اتحاد

اب حیدرآباد کے نظام کا مسئلہ درپیش تھا۔ حیدرآباد کا نظام سست روی کے ساتھ اپنی فوج کے ہمراہ بنگلور کی جانب پیش قدمی کر رہا تھا جہاں پر اس نے فرنگی افواج کے ساتھ جاملنا تھا اور میسور پر مشترکہ طور پر حملہ آور ہونا تھا۔

اب 18 سالہ ٹیپو سلطان نے اپنے پہلے سفارتی مشن کی ذمہ داری سنبھالی۔ اس کے مشن میں نظام کو ڈھونڈنا اور اس کے ساتھ گفت وشنید کا آغاز کرنا بھی شامل تھا۔ حیدرعلی قدرے پریشان تھا کیونکہ اس نے اپنے بیٹے کو شیر کی غار میں دھکیل دیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ خبیث، بدباطن اور بدنیت نظام نہ جانے نوجوان شہزادے کے ساتھ کیا سلوک روا رکھے گا جو کہ اپنے ہی بھائی کو موت کے گھاٹ اتار چکا تھا؟ کیا وہ شہزادے کو یرغمال بنالے گا تاکہ مستقبل کی گفت وشنید کے دوران وہ اپنے اس عمل درآمد کی بدولت فائدہ حاصل کر سکے؟ تاہم سب کچھ ٹھیک ٹھاک طریقے سے سرانجام پا گیا اور ٹیپو سلطان اکیلا روانہ نہ ہوا...... اس کے ہمراہ 6,000 گھوڑ اسوار بھی روانہ ہوئے۔

نظام نے اپنی بالکونی سے ٹیپو سلطان کا استقبال کیا اور وہ میسوری گھوڑ سواروں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا جو ایک مثالی انداز میں قطاریں بنائے ٹیپو سلطان کے پیچھے کھڑے تھے۔ ٹیپو سلطان اپنے ہمراہ قیمتی تحائف بھی لایا تھا۔ وہ اپنے ہمراہ بہترین نسل کے پانچ ہاتھی اور دس گھوڑے بھی لایا تھا۔ اس کے علاوہ وہ سونے اور ہیرے جواہرات سے بھری ہوئی ایک ٹوکری بھی اپنے ہمراہ لایا تھا۔

نوجوان اور پروقار ٹیپو سلطان نے نظام کو ازحد متاثر کیا اور گفت وشنید کے اختتام تک نظام اپنا نکتہ نظر تبدیل کر چکا تھا۔ وہ اب انگریزوں کے خلاف اہل میسور کا ساتھ دینے پر آمادہ تھا۔

لہٰذا نظام کی افواج نے سرنگاپٹم کی جانب پیش قدمی شروع کر دی تاکہ میسور اور حیدرآباد کی افواج باہم متحد ہو کر انگریزوں پر حملہ آور ہو سکیں۔ یہ اگست 1767ء کا زمانہ تھا۔ جلد ہی یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ نظام کے غیر منظم فوجی دستے حیدرعلی کے لئے ایک سرمایہ ثابت ہونے کی بجائے ایک بوجھ ثابت ہوئے تھے۔

ماضی کے تجربات کی روشنی میں یہ بات پایہ تکمیل تک پہنچ چکی تھی اور آنے والے وقت نے بھی اس امر کو ثابت کر دیا تھا کہ فرنگیوں کا جنگ لڑنے کا فن دشمن کے مقابلے میں کہیں بہتر اور برتر تھا اگرچہ وہ تعداد میں کم ہی کیوں نہ ہوتے تھے۔ جنگ کا نقشہ تبدیل ہوتا رہا۔ ایک موقع پر ٹیپو سلطان مدراس کے انتہائی قریب جا پہنچا تھا اور لوٹ مار کا بازار گرم تھا۔ اس لمحے حیدرعلی کو شکست سے دوچار ہونا پڑا تھا جہاں پر بہت سے شہری خوف وہراس کا شکار تھے۔

فرنگی جنگ کے داؤ پیچ بخوبی جانتے تھے۔ انہوں نے اب شمال کی جانب سے حیدرآباد پر حملہ کر دیا تھا اور اس حملے نے اپنا کام کر دکھایا تھا

......نظام اپنے مادر وطن کا دفاع کرنا چاہتا تھا۔ لہٰذا اس نے فرنگیوں کے ساتھ امن بات چیت کا آغاز کر دیا اور اپنے نئے اتحادی حیدر علی کو خیر باد کہہ دیا۔ اس دوران مغربی ساحل سے چونکا دینے والی خبریں موصول ہو رہی تھیں...... ممبئی کے مقام سے فرنگی افواج نے مالا بار کے ساحل پر حملہ کر دیا تھا اور یکم مارچ 1768ء کو بنگلور پر قبضہ کر لیا تھا۔ مالا بار کا ساحل اس مقام سے 50 روز کی پیش قدمی پر واقع تھا جہاں پر ٹیپو سلطان اور حیدر علی موجود تھے۔

* * *

اور فرنگی بھاگ نکلے

ٹیپو سلطان کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ مغرب کی جانب پیش قدمی کرے اور 2 مئی کو وہ بنگلور کے مضافات تک پہنچ چکا تھا۔ اس نے ایک چال چلی ......دشمن کو دھوکہ دینے کی ایک تدبیر کی...... اس چال کے تحت اس نے دشمن کو یہ تاثر دیا کہ حیدر علی ایک کثیر فوج کے ہمراہ اس مقام پر آن پہنچا تھا۔ لہٰذا فرنگیوں کی محافظ فوج افراتفری اور انتشار کا شکار ہو گئی اور جلد ہی سمندر کے راستے راہ فرار اختیار کر گئی۔

* * *

کمپنی کے ساتھ امن معاہدہ

مالا بار ساحل کی صورت حال کو جب استحکام نصیب ہوا تب حیدر علی فرنگیوں کے خلاف از سر نو بر سر پیکار ہو سکتا تھا جو اس دوران میسور کے علاقے کی جانب پیش قدمی کر چکے تھے اور لوٹ کھسوٹ میں مصروف تھے۔ انہوں نے لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ حیدر علی نے اب امن کا پیغام ارسال کیا۔ لیکن انگریز جو حصول فتح کے بارے میں پر عزم تھے اور اپنی فتح کا یقین کامل رکھتے تھے انہوں نے ایسی شرائط پیش کیں جو حیدر علی کے لئے قطعاً ناقابل قبول تھیں۔ لہٰذا حیدر علی نے ایک نئی تدبیر اختیار کی...... اس نے ایک نئی چال چلی...... اس نے فرنگیوں کی سپلائی لائن کو اپنا نشانہ بنانا شروع کیا اور ان کے سامان رسد پر حملے کرنے شروع کئے اور اپنی افواج کی برق رفتار اور غیر متوقع پیش قدمی کی بدولت دشمن کیلئے غیر یقینی صورت حال کی فضا قائم کی۔ اس نے نفسیاتی جنگ کا بھی آغاز کر دیا اور یہ افواہ پھیلا دی کہ فرنگیوں کی فوج کو نیست و نابود کر دیا گیا تھا اور کرناٹک میں لوٹ مار کا ایک نیا بازار گرم ہونے والا تھا۔ اور یہ افواہ ایک حقیقت بھی ثابت ہوئی اور بے رحم اور بے درد لوٹ مار کرتے ہوئے حیدر علی نے سینٹ تھامس ماؤنٹ تک پیش قدمی کی جو کہ مدراس کے جنوب میں دس کلومیٹر کے فاصلے پر واقع تھا۔

تاریخ دانوں نے اس امر پر بحث کی ہے کہ حیدر علی نے جنوبی ہند میں انگریزوں کی قوت کو کیوں ختم کر کے نہ رکھ دیا جبکہ ایسا کرنا عین ممکن دکھائی دیتا تھا؟

کیا وہ جنگ سے اکتا چکا تھا یا جنگی تھکاوٹ کا شکار ہو چکا تھا۔ کیونکہ وہ گذشتہ دس برسوں سے مصروف جنگ تھا؟

کیا وہ یہ محسوس کرتا تھا کہ بنگال میں انگریزوں کی طاقت اور قوت اس قدر ناقابل تسخیر تھی کہ دیرپا امن کے حصول کیلئے بنیاد تلاش کی

جائے؟

تاہم فرنگی امن کی درخواست کرنے پر مجبور تھے اور مدراس میں 2 اپریل 1767ء کو امن معاہدہ اپنے اختتام کو پہنچا تھا۔ اس معاہدے کی شرائط فرنگیوں کے حق میں بہتر تھیں۔ محض تھوڑے بہت رد و بدل کے بعد انہی سرحدوں کو بحال کر دیا گیا تھا جو جنگ سے پیشتر تھیں اور جنگی قیدیوں کے تبادلے پر بھی سمجھوتہ طے پا گیا تھا۔

اس معاہدہ امن کی ایک اہم ترین شق یہ تھی کہ دونوں فریق اس امر پر رضامند ہوئے تھے کہ اگر ان میں سے کسی فریق پر کوئی تیسرا فریق حملہ آور ہوگا تو دوسرا فریق حملہ کا نشانہ بننے والے فریق کی مدد کرے گا۔ صاف ظاہر تھا کہ یہ شق مرہٹوں کی وجہ سے شامل کی گئی تھی۔ اس معاہدے کے چند ماہ بعد ہی مرہٹوں نے دوبارہ میسور پر حملہ کر دیا تھا۔ حیدر علی نے معاہدہ امن کی رو سے انگریزوں سے امداد طلب کی تھی۔ لیکن انگریزوں نے اس کی اس درخواست کا کوئی جواب نہ دیا تھا۔ مدد کرنا تو دور کی بات تھی انگریز اس درخواست کا جواب دینے کے بھی روادار نہ تھے۔

◆

مرہٹوں کے ساتھ جنگ (1769ء تا 1772ء)

حیدر علی اور اس کا بیٹا انگریزوں کے خلاف حاصل ہونے والی کامیابی سے زیادہ دیر تک لطف اندوز نہ ہو سکے تھے۔ امن معاہدہ سرانجام پانے کے نصف برس بعد مرہٹہ افواج شمال کی جانب سے میسور پر حملہ آور ہوئیں۔ اس جنگ کی وجہ سرحدی علاقوں کے چند متنازعہ ضلع جات تھے۔ حیدر علی کی افواج تعداد میں کم تھیں۔ مرہٹوں کو عددی برتری حاصل تھی۔ لہٰذا حیدر علی نے دیگر جنگی تدابیر اختیار کیں۔ اس جنگی حکمت عملی کے تحت اس نے:

☆ اسٹور تباہ و برباد کر دیے یا ان کو دور دراز کے مقامات پر منتقل کر دیا۔

☆ فصلوں کو جلا دیا۔

☆ پانی کے کنوؤں میں زہر ملا دی۔

☆ بستیوں کو آبادی سے خالی کر دیا۔

شہروں اور بستیوں کو آبادی سے خالی کرنا اتنی غیر مقبول تدبیر نہ تھی جتنی غیر مقبول تدبیر تصور کی جاتی تھی۔ ان لوگوں کو سرنگا پٹم کے نزدیک مہاجر کیمپوں میں آباد کیا گیا اور ان کو معقول معاوضہ بھی دیا گیا۔ اس وقت ٹیپو سلطان کی عمر 19 برس تھی۔ اسے اس مہم کی کمان سرانجام دینے کے فرائض سونپے گئے اور وہ کامیابی کے ساتھ ان فرائض سے سبکدوش ہوا۔

تاہم شمالی میسور کے کئی ایک قلعہ بند شہر مرہٹوں کے قبضے میں جانے سے نہ بچائے جا سکے۔ ایسے ہی ایک قلعے سے سخت مزاحمت کا مظاہرہ کیا گیا لیکن بالآخر کمانڈر کو ہتھیار ڈالنا پڑے تھے۔ اس مزاحمت کی پاداش میں قلعہ میں موجود محافظ فوج کے کان اور ناک کاٹے گئے۔ مرہٹوں کے

کچھ فوجی بھی جنگی قیدی بنائے گئے تھے اور ان کو بھی اسی سزا سے نوازا گیا تھا۔ لہٰذا یہ ان فوجیوں کا بدلہ بھی تھا۔ جب اس قلعے کے بہادر کمانڈر کی باری آئی تو وہ اپنے چہرے پر حقارت کے تاثرات لئے آگے بڑھا۔ مرہٹہ کمانڈر نے اس سے دریافت کیا کہ کیا وہ اسے درست اور عین انصاف نہیں سمجھتا کہ اس کے کان اور ناک کاٹا جائے اور اسے اس طرح ذلیل و خوار کیا جائے۔

قلعے کے کمانڈر نے جواب دیا کہ:

''ناک اور کان میرے کاٹے جائیں گے اور ذلالت تمہارے حصے میں آئے گی''۔

مرہٹہ کمانڈر اس جواب سے از حد متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور اس نے قلعہ کے کمانڈر کے ناک اور کان نہ کاٹے اور اس کو اس سزا سے مستثنیٰ قرار دے دیا۔ مرہٹوں کے ساتھ مختلف جنگوں کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ مرہٹے اپنے مفتوحہ علاقوں میں لوٹ مار کا بازار گرم کرنے کی وجہ سے بدنام ہو چکے تھے۔ ان کی پیش قدمی اکثر تاخیر کا شکار ہو جاتی تھی۔ وہ دشمن کی فوج کا تعاقب کرنے کی بجائے لوٹ مار کو ترجیح دیتے تھے۔ شمالی میسور اب پامال ہو چکا تھا...... تاراج کر دیا گیا تھا...... غارت کر دیا گیا تھا۔

بالآخر میسور کی افواج شکست فاش سے دوچار ہوئیں...... یہ ایک ایسی شکست تھی کہ ایسی بدترین شکست سے حیدر علی اس سے پیشتر کبھی دوچار نہ ہوا تھا (مارچ 1771ء) حیدر علی اور اس کی 35000 افراد کی نفری پر مشتمل فوج نے دو پہاڑی ٹیلوں کے درمیان دفاعی پوزیشن اختیار کر رکھی تھی۔ مرہٹوں نے اس فوج پر حملہ آور ہونے کی بجائے اس فوج کو اپنے توپ خانے کا نشانہ بنایا۔ وہ کئی روز تک میسور کی فوج کو گولہ باری کا نشانہ بناتے رہے۔ توپ کا ایک گولہ میسور کی فوج کے راکٹوں کے اسٹور میں جا گرا جس کی وجہ سے ایک شدید دھماکہ ہوا اور میسور کی فوج کا عظیم ترین جانی نقصان ہوا۔

حیدر علی نے رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پسپائی اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس دوران کچھ افراتفری منظر عام پر آئی اور پسپائی اختیار کرنے کا عمل بھی اس افراتفری کا شکار ہو کر رہ گیا اور مرہٹوں کی فوج نے راہ فرار اختیار کرنے والی میسور کی فوج کو اپنی تلواروں کے ساتھ گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ حیدر علی بھی بمشکل اپنی جان بچانے میں کامیاب ہوا۔ ٹیپو سلطان نے بھی بھیس بدل کر اپنی جان بچائی۔ میسور کے گرفتار شدہ جرنیلوں میں سے ایک جرنیل نے اپنے آپ کو حیدر علی ظاہر کیا اور اس طرح وہ مرہٹوں کی پیش قدمی کو دس روز تک روکنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس طرح ان کو اپنی لوٹ مار کا بازار گرم کرنے میں بھی تاخیر ہو گئی۔ اب تمام تر شمالی میسور تاراج کیا جا چکا تھا...... برباد کیا جا چکا تھا...... لوٹ مار کا نشانہ بنایا جا چکا تھا۔ میسوریوں کو یہ علم تھا کہ اب ان کے دارالخلافہ اور سرنگاپٹم کے قلعے کا محاصرہ کر لیا جائے گا۔ وہ اپنے آپ کو اس محاصرے کیلئے تیار کرنے لگے تھے۔ مرہٹوں نے محاصرہ کر لیا تھا۔ اہل میسور نے محاصرے سے نکل کر دشمن پر کئی ایک حملے کئے اور ان حملوں کے دوران نوجوان ٹیپو سلطان نے کمال جرات اور بہادری کا مظاہرہ کرنے کے علاوہ ایک بہترین لیڈر شپ کا بھی مظاہرہ کیا۔

33 روز بعد مرہٹوں نے محاصرہ ختم کر دیا اور ان کی فوج ایک مرتبہ پھر لوٹ مار میں مصروف ہو گئی۔ ٹیپو سلطان کو اب جنوب کی جانب روانہ کیا گیا تاکہ وہ دشمن کی رسد کی لائن (سپلائی لائن) کاٹ سکے۔ ٹیپو سلطان نے دشمن کے ایک بڑے قافلے کو اپنے حملے کا نشانہ بنایا۔ اس قافلے میں

سامان رسد کے علاوہ فوجی ضرورت کا سامان بھی شامل تھا۔ اس خونی جنگ میں اہل میسور کی یہ کامیابی ایک بڑی کامیابی ثابت ہوئی۔ بالآخر یہ جنگ اپنے اختتام کو پہنچی اور 1772ء میں امن بحال ہو گیا۔ حیدر علی کو شمال میں واقع چند صوبے مرہٹوں کے حوالے کرنا پڑے۔

یہ جنگ اور امن کی بحالی دونوں حیدر علی کیلئے تذلیل کا باعث بنے تھے۔ لیکن وہ مایوس یا ناامید نہ ہوا تھا۔ اب اس کی عمر 50 برس کی ہو چکی تھی اور وہ اپنے غیر معمولی کیریئر کی جانب جب اپنی نگاہ دوڑاتا تھا تو اسے یہ احساس ہوتا تھا کہ اس نے ایک معمولی سپاہی سے ترقی کی منازل طے کی تھیں اور ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہوتے ہوئے بالآخر وہ جنوبی ہند کی ایک طاقت ور ریاست کا حکمران بن چکا تھا اور ایک حکمران اور ایک جرنیل ہونے کی حیثیت میں اس نے دوستوں اور دشمنوں دونوں میں عزت کمائی تھی۔

پونا میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات اب حیدر علی کے ہاتھوں میں کھیل رہے تھے۔ پیشوا موت سے ہمکنار ہو چکا تھا اور اس کی جانشینی کیلئے جو انتشار اور افراتفری مچی تھی وہ بالآخر 1772ء کے موسم خزاں میں خانہ جنگی کا روپ اختیار کر چکی تھی۔ حیدر علی نے اب دشمنی اور عداوت دوبارہ شروع کر دی تھی۔ اس نے اپنے بیٹے ٹیپو سلطان کو شمال کی جانب روانہ کیا تا کہ وہ اپنے کھوئے ہوئے صوبے دوبارہ حاصل کر سکے۔ ٹیپو سلطان اس وقت تک ایک عظیم جرنیل بن چکا تھا۔ اس نے توقعات سے بڑھ کر کامیابی حاصل کی۔ مرہٹوں کی افواج کو شکست کا سامنا کرنا پڑا اور بالآخر مرہٹوں اور اہل میسور کے درمیان ایک معاہدہ طے پا گیا۔ میسور کی علاقائی حدود اب اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھیں۔

* * *

سرنگاپٹم میں شادی کی تقریب

اہل میسور جنگوں سے اکتا چکے تھے اور حیدر علی بھی اس نکتہ نظر کا حامل تھا کہ دیگر سرگرمیوں کی جانب بھی اپنی توجہ مبذول کروائی جائے۔ ٹیپو سلطان کی عمر اب 24 برس ہو چکی تھی۔ جیسا کہ ہندوستان میں رواج تھا اور اب بھی یہ رواج قائم ہے کہ یہ والدین کی ذمہ داری ہوتی تھی کہ وہ اپنے بیٹے کے لئے مناسب دلہن کا انتخاب کریں۔ حیدر علی کے حرم میں ٹیپو سلطان کی دلہن کے انتخاب کے موضوع پر اکثر گفتگو ہوتی رہتی تھی لیکن ٹیپو کی نظر انتخاب رقیہ بانو پر پڑی تھی۔ یہ وہی لڑکی تھی جس نے ٹیپو سلطان اور اس کے بھائی کی جان اس کے باپ کے دشمنوں سے بچائی تھی۔ لہٰذا یہ فیصلہ کیا گیا کہ ٹیپو سلطان دو شادیاں کرے گا۔ ایک شادی والدین کی منتخب کردہ دلہن کے ساتھ...... اور دوسری شادی رقیہ بانو کے ساتھ...... ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے اسے چار شادیاں کرنے کی اجازت تھی۔ والدین کی منتخب کردہ دلہن کے ساتھ شادی محض ایک رسمی شادی تھی جبکہ رقیہ بانو اس کی نوجوانی کی محبت تھی اور اسے ہی اس کے زیادہ تر بچوں کی ماں بننے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ یہ شادی سرنگاپٹم میں انتہائی دھوم دھام کے ساتھ ہوئی۔ تمام تر شہر کو پھولوں کے ساتھ سجایا گیا اور کھانے پینے کے لوازمات مہمانوں کے علاوہ رعایا کو بھی پیش کیے گئے۔

اس موقع پر اس دور کے حرموں کا ذکر کرنا خارج از بحث نہیں ہو گا۔ ایک شہزادے کے حرم میں کئی ایک خواتین ہوتی تھیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ٹیپو سلطان کے زنان خانے میں 1780ء کی دہائی کے دوران 601 خواتین موجود تھیں۔ ان میں سے 268 خواتین اسے

اپنے باپ حیدر علی کی وراثت میں ملی تھیں۔ حرم کی خواتین کو اٹھا کر حرم سے باہر نہیں پھینک دیا جاتا تھا بلکہ وہ حرم کے مالک کی ذمہ داری ہوتی تھیں اور انہیں تا زندگی حرم میں آباد رکھا جاتا تھا۔ اہل مغرب حرم کے نظریے کو جنسی عیاشی کا ایک نامعقول ذریعہ تصور کرتے ہیں اور ایک مغربی مرد یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ حرم کا واحد مالک کس طرح سینکڑوں خواتین کی جنسی تسکین کا سبب بنتا ہوگا۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ حرم کی محض چند ایک خواتین ہی جنسی طور پر استعمال میں لائی جاتی تھیں جبکہ ان کی بڑی تعداد خادماؤں کے فرائض سرانجام دیتی تھی اور کئی ایک گھریلو امور سرانجام دینے میں مصروف رہتی تھی۔ حتیٰ کہ حرم کی خواتین بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جاتی تھیں اور ان میں سے کئی ایک خواتین وراثت میں منتقل ہوتی تھیں اور وہ نوجوانی کی عمروں کی حامل نہ ہوتی تھیں۔ وہ تنہائی کی زندگی بسر کرتی تھیں اور باپردہ رہتی تھیں۔ ان کو غیر مردوں کو اپنا چہرہ دکھانے کی اجازت نہ تھی۔ زنان خانہ ان کے لئے سونے کا ایک پنجرہ ہوتا تھا اور وہ اس پنجرے سے راہ فرار اختیار نہیں کر سکتی تھیں۔

ٹیپو سلطان بذات خود خواتین کا دلدادہ نہ تھا۔ ایسے شواہد موجود ہیں جو یہ باور کرواتے ہیں کہ وہ ایک پاکیزہ زندگی بسر کرتا تھا۔ وہ اس قسم کا لباس زیب تن کرتا تھا جو اس کے جسم کے ہر حصے کو ڈھانپ سکے۔ حتیٰ کہ وہ غسل کرتے وقت بھی برہنہ حالت میں غسل نہیں کرتا تھا۔ تاہم اس کا یہ طرز عمل اسے 12 بیٹوں اور 4 بیٹیوں کا باپ بننے سے نہ روک سکا۔

……

حیدر علی...... میسور کا مطلق العنان حکمران

1770ء کے عشرے میں میسور میں جو سیاسی اور فوجی صورت حال منظر عام پر آئی اس نے ایک ایسی صورت حال قائم کر دی جس کے تحت میسور جنوبی ہندوستان کی ایک عظیم طاقت کے روپ میں منظر عام پر آیا۔ 1779ء میں حیدر علی اپنی طاقت اور قوت کے عروج پر تھا۔ اس کی عمر اس وقت 58 برس تھی اس کی سلطنت شمال اور مغرب کی جانب وسعت اختیار کر چکی تھی اور وہ ایک بیٹے کا باپ بھی تھا جس بیٹے نے اپنے آپ کو اس کے تخت کا بہترین جانشین بھی ثابت کر دیا تھا۔

سرنگا پٹم کے سرکاری دفتر میں دفتری امور کیسے نپٹائے جاتے تھے اس کے بارے میں ہمارے پاس ایک عینی شہادت موجود ہے۔ ایک جرمن مشنری جو کہ ڈنمارک کی تجارتی چوکی کے ساتھ منسلک تھا اس نے کچھ وقت حیدر علی کی رفاقت میں بھی گزارا تھا۔ اس نے بیان کیا ہے کہ حیدر علی اپنا دفتر کیسے چلاتا تھا...... اپنے دفتری امور کیسے سرانجام دیتا تھا۔

ایک روز اس جرمن مشنری نے لوگوں کے ایک گروہ کو دیکھا جو حیدر علی سے ملاقات کرنے کے انتظار میں تھے۔ ان کے چہروں سے ایسا دکھائی دیتا تھا جیسے کہ وہ ملزمان تھے۔ ایسے ملزمان جو سزائے موت کے منتظر تھے۔ وہ لوگ مقامی اہلکار تھے اور ان کو اس لئے سرنگا پٹم لایا گیا تھا کہ ان کے حساب کتاب کی پڑتال سرانجام دی جا سکے۔

> ”ان لوگوں کو جس طرح سزا سے نوازا گیا میں نہیں جانتا کہ اس سزا کو میں کیسے بیان کرو۔ قارئین یہ خیال کریں گے کہ میں مبالغہ سے کام لے رہا ہوں۔ لیکن ان بیچارے لوگوں کو باندھ دیا گیا تھا اور دو افراد جن کے ہاتھوں میں چابک اور کوڑے تھے وہ نمودار ہوئے اور انہوں نے وحشیانہ انداز میں ان پر کوڑے برسائے حتیٰ کہ ان لوگوں کی جلد پھٹ گئی اور ان کی چیخ و پکار فضا میں بلند ہوتی رہی۔“

اگر ڈاکہ زنی کی کوئی واردات منظر عام پر آتی تھی اور اس کا ذمہ دار پولیس کا مقامی سربراہ ٹھہرایا جاتا تھا اور اسے بڑی سے بڑی سزا جو دی جاتی تھی وہ یہ تھی کہ اس کے جسم میں میخیں ٹھونک کر اسے ہلاک کر دیا جاتا تھا۔ یہ سزا اس دور کی ظالمانہ سزاؤں میں سے ایک سزا تھی۔

جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ حیدر علی ان پڑھ تھا لیکن اس نے ایک ایسا نظام وضع کر رکھا تھا جس کے تحت سیکرٹریوں کا ایک گروپ ہمیشہ موجود ہوتا تھا۔ وہ خطوط اور درخواستیں پڑھ کر اسے سناتے تھے اور ان کو سننے کے فوراً بعد وہ ان سیکرٹریوں کو ان کے جوابات تحریر کروا دیتا تھا اور ان جوابات کو بھی پڑھ کر حیدر علی کو سنایا جاتا تھا اور وہ اس سیکرٹری کو قرار واقعی سزا دیتا تھا جو کسی قدر تفصیلات کو نظر انداز کر دیتا تھا۔ لہٰذا قوانین آمرانہ تھے اور اس دور میں ہندوستان میں یہی رواج مروج تھا۔

فرنگیوں اور میسور کی دوسری لڑائی (1780ء تا 1784ء)

مرہٹے اور نظام حیدر آباد دونوں اب حیدر علی کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس کی قدر کرتے تھے۔ اور اب ان ہمسایوں کے درمیان دوستانہ تعلقات استوار ہو چکے تھے۔ اب یہ انگریز کو اپنا مشترکہ دشمن تصور کرتے تھے۔ یہ تینوں ہمسائے کسی نہ کسی وجوہات کی بنا پر انگریزوں سے نا خوش تھے۔ مرہٹے ممبئی میں کمپنی کے طرز عمل اور تحکمانہ انداز سے مشتعل تھے اور نظام حیدر آباد اپنے ساحلی علاقوں میں انگریزوں کی مداخلت کی بنا پر ان سے ناراض تھا اور حیدر علی بھی کئی ایک وجوہات کی بنا پر انگریزوں کے معاملے میں عدم طمانیت کا شکار تھا۔

1778ء میں فرانس نے شمالی امریکہ کی جنگ آزادی میں مداخلت کی تھی اور اب ہندوستان میں بھی انگلستان اور فرانس کے درمیان دشمنی کی فضا قائم ہو چکی تھی۔ اس مرحلے پر اہل فرانس تقریباً مکمل طور پر ہندوستان سے باہر ہو چکے تھے لیکن مشرقی اور مغربی ساحل پر ان کے دو بقایا مقبوضات پر بھی اب انگریزوں نے تسلط جما لیا تھا۔ مغربی ساحل پر انگریزوں کے تسلط سے حیدر علی بھی مشتعل تھا کیونکہ یہ شہر میسور کی درآمدات کیلئے ایک اہم بندرگاہ تھی۔

1770ء کی دہائی میں انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی کو ایک بہتر انتظامی ڈھانچہ مہیا کیا گیا تھا۔ یہ 1773ء کا ریگولیشن ایکٹ کہلاتا تھا۔ اب کمپنی بذریعہ گورنر جنرل زیادہ مرکزیت کی حامل انتظامیہ کی حامل تھی۔ گورنر جنرل کا دفتر کلکتہ میں واقع تھا اس قانون کے تحت کمپنی کی مختلف ایجنسیوں کی ذمہ داریوں کی وضاحت کر دی گئی تھی اور کمپنی کو لندن میں بورڈ آف کنٹرول کی پیشگی اجازت کے بغیر کسی جنگ میں ملوث ہونے یا کسی جارحانہ اتحاد میں شامل ہونے سے روک دیا گیا تھا۔

اس قانون کے تحت پہلا گورنر جنرل وارن ہاسٹنگز (1774ء تا 1788ء) تھا۔

چونکہ مواصلاتی نظام سست روی کا شکار تھا لہٰذا انگریزوں کے تین مضبوط گڑھ...... کلکتہ۔ مدارس اور ممبئی آزادانہ اور خود مختارانہ عمل درآمد کے لئے مجبور تھے اور عملی طور ان کے لئے ناممکن تھا کہ وہ تازہ ترین ہدایات پر اپنے عمل درآمد کو ممکن بناتے۔

وفاعی تیاریوں کے سلسلے میں بھی ان کو یہی طرز عمل اپنانا تھا۔ اب کرناٹک پر جو حملہ ہوا تھا مدراس اس حملے کے لئے قطعاً تیار نہ تھا جبکہ میسوری فوج جو تقریباً 100,000 افراد کی نفری پر مشتمل تھی اس نے تنجورتک کا ساحلی علاقہ تاراج کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس دور کا ایک عینی شاہد اس حملے پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہے کہ:

> ”رات کے وقت مدراس کے انگریز رہائشی سینٹ تھامس ماؤنٹ کی چوٹی سے مشرقی آسمان کی سرخ رنگت بخوبی دیکھ سکتے تھے۔ آسمان کی یہ سرخ رنگت جلتے ہوئے دیہاتوں کی بدولت تھی۔“

اس موقع پر چار اتحادی تھے جنہوں نے انگریزوں کو للکارا تھا...... میسور...... مرہٹے...... حیدر آباد اور فرانسیسی...... فرانسیسی حیدر علی کی حملہ آور فوج میں شامل تھے اور ان کی تعداد چند ہزار تھی اور ان کی کمان جنرل لالی سرانجام دے رہا تھا۔ کئی ایک مواقع پر انہوں نے جنگ کی اپنی یورپی

مہارت کی بنا پر اہم کردار سرانجام دیا تھا۔

انگریزوں کی دو عدد افواج میدان جنگ میں برسرِ پیکار تھیں...... ایک مدراس کے علاقے میں جو جنرل بیلی کی زیر کمان تھی...... اور دوسری جنرل منرو کے زیر کمان تھی جو شمال کی جانب سے آئی تھی۔ ان دونوں افواج نے باہم متحد ہونے کی کوشش کی لیکن ان کی کوشش کامیابی سے ہمکنار نہ ہوسکی۔ اس ناکامی کی جزوی وجہ یہ تھی کہ دریا میں طغیانی آئی ہوئی تھی اور اس کو عبور کرنے میں دس روز کی تاخیر واقع ہو چکی تھی۔ اس دوران میسوریوں کو اتنا وقت مل چکا تھا کہ وہ اپنی افواج کو باہم متحد کرسکیں اور انگریزوں کی دونوں افواج کو باہم متحد ہونے سے روک سکیں۔ جنرل بیلی نے ایک دلیرانہ کوشش سرانجام دی تا کہ اپنے ہم وطنوں سے باہم متحد ہو سکے لیکن 16 کلومیٹر تک پیش قدمی کرنے کے بعد اس کی تھکی ماندی سپاہ رات کو ایک گاؤں میں مقیم رہی۔ صبح کے وقت ان کو تین اطراف سے حملے کا نشانہ بنایا گیا...... حیدر علی...... ٹیپو سلطان اور فرانسیسی جرنیل لالی...... یہ 10 ستمبر 1780ء کا دن تھا۔

* * *

یہ جنگ ایک خونی جنگ ثابت ہوئی

ٹیپو سلطان انگریزوں کے اسلحہ کے ذخیرے کا مشاہدہ کر چکا تھا۔ لہٰذا اس نے اپنے توپ خانے کا رخ اس کی جانب موڑ دیا۔ توپ کا ایک گولہ براہ راست اسلحہ کے ذخیرے میں جا گرا جس کے نتیجے میں اسلحہ کا پورا ذخیرہ جل اٹھا۔ انگریزوں نے دلیرانہ مزاحمت سرانجام دی اور تمام تر جنگی صلاحیتوں اور مہارتوں کو بروئے کار لائے تا کہ حملہ آوروں پر قابو پاسکیں لیکن بالآخر انہیں ہار ماننا پڑی۔ ان کی افواج کی صفیں ٹوٹ چکی تھیں۔ لہٰذا انہیں سفید جھنڈا بلند کرنا پڑا جو جنگ بندی اور شکست تسلیم کرنے کی علامت تھا۔ انگریزوں کا قتل عام کیا گیا۔ 86 انگریز فوجی افسران میں سے 36 افسران ہلاک کر دیے گئے اور 34 افسران زخمی ہوئے۔ زخمی ہونے والوں میں جنرل بیلی بذات خود بھی شامل تھا۔ دیگر زخمیوں کی تعداد 1000 سے زائد تھی۔ 250 انگریز جنگی قیدی بنائے گئے تھے۔

میدان جنگ میں اس وقت وحشتناک مناظر دیکھنے میں آئے جب اہل میسور فتح کے نشے میں چور اپنے مخالفین کو گاجر اور مولی کی طرح کاٹ رہے تھے اور ان کے ہاتھیوں اور گھوڑوں کو بھی کاٹ رہے تھے اور یہ ہاتھی اور گھوڑے مردہ اور زخمی سپاہ کے ڈھیروں کو اپنے پاؤں تلے کچل رہے تھے۔ جب لڑائی اپنے اختتام کو پہنچ گئی تب ہلاک شدگان اور زخمیوں کی لوٹ مار کا عمل شروع ہوا۔ ان کے کپڑے اتار لئے گئے۔ ان کی جیبیں خالی کر دی گئیں اور زخمیوں کو گرم دوپہر میں بے یارومددگار چھوڑ دیا گیا۔ رات کے وقت ان کے خون کی بو سونگھتے ہوئے لومڑ...... گیدڑ اور شیر وغیرہ ان کی چیر پھاڑ کے لئے آن پہنچے۔ اب فضا ان زخمیوں کی چیخ و پکار لرز رہی تھی۔ وہ مدد کیلئے پکار رہے تھے۔

کچھ زخمیوں نے قدرے ہمت کا مظاہرہ کیا اور انہوں نے جنگی قیدیوں کے کیمپ کی جانب رینگنا شروع کر دیا تا کہ جنگی قیدیوں میں شامل ہوسکیں۔

اس طرح چند برس قید رہنے کے بعد جنگی قیدیوں کے تبادلے کے سلسلے میں ان کی رہائی کے امکانات موجود تھے۔

ایک عینی شاہد (اس کی شہادت کی گارنٹی نہیں دی جا سکتی) کے مطابق حیدر علی کے خیمے میں زخمی جنرل بیلی کو لایا گیا جو ایک کمبل پر دراز تھا جبکہ سپاہی جو کہ انعام کے لالچی اور متمنی تھے حیدر علی کو جنگ میں مارے جانے والے انگریزوں افسران کے قلم کئے گئے سر دکھا رہے تھے۔ فرانسیسی افسران گرفتار شدہ انگریزوں کے لئے قدرے ہمدردی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ وہ ان کو لباس فراہم کر رہے تھے...... شراب اور ڈبل روٹی پیش کر رہے تھے۔ حتیٰ کہ فرانسیسی سرجن کی خدمات بھی پیش کر رہے تھے۔

یہ جنگ یقیناً اہل میسور کی فتح تھی اور مابعد ٹیپو سلطان نے اس جنگ کی ایک تصویر کشی بھی کروائی تھی اور یہ تصویر ہنوز سرنگا پٹم کے اس کے موسم سرما کے محل کی ایک پوری دیوار پر بنی ہوئی ہے۔ اس تصویر میں ٹیپو سلطان اور حیدر علی دونوں کو دکھایا گیا ہے۔ ٹیپو سلطان ایک گھوڑے پر سوار ہے اور حیدر علی اپنے حملہ آوروں کی رہنمائی سرانجام دے رہا ہے۔ اس تصویر میں جنرل بیلی کو بیچارگی کی حالت میں پالکی میں بیٹھا دکھایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ انگریزوں کے اسلحے کے ذخیرے کو جلتا ہوا دکھایا گیا ہے اور سپاہ کو مزاحمت سرانجام دیتے ہوئے بھی دکھایا گیا ہے۔ یہ تصویر ابھی تک محفوظ ہے اور آج کل کے سیاح اس تصویر سے بخوبی لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔

کسی نہ کسی وجوہات کی بنا پر حیدر علی راہ فرار اختیار کرتی ہوئی انگریز فوج کے تعاقب اور اس کو نیست و نابود کرنے کے عمل سے باز رہا۔ کچھ ماہرین اس نکتہ نظر کے حامل ہیں کہ حیدر علی انگریز فوج کو نیست و نابود کر سکتا تھا اور مدراس پر بھی قبضہ کر سکتا تھا تاہم وہ اپنے خیمے میں غیر فعال پڑا رہا اور اپنی فوج کو ارکوٹ شہر کے محاصرے کا حکم دیا۔ یہ شہر اس جنگ کے آٹھ ہفتوں بعد محاصرہ کرنے والوں کے قدموں میں تھا۔ تاہم دو لحاظ سے یہ لڑائی اہمیت کی حامل تھی۔ پہلی بات یہ تھی کہ انگریزوں کے بارے میں یہ تصور کیا جاتا تھا کہ وہ ناقابل تسخیر تھے۔ اس لڑائی کی وجہ سے یہ تصور اپنی موت آپ مر چکا تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ اس وقت سے لے کر بعد تک ٹیپو سلطان کے خلاف بہت زیادہ پراپیگنڈا کیا جانے لگا تھا کہ وہ انگریز جنگی قیدیوں کے حق میں از حد ظالم واقع ہوا تھا (ان قیدیوں کو 1784ء میں امن ہونے کے بعد بھی قید میں رکھا گیا تھا)۔ انگریزی تحریروں میں ان قیدیوں کی مشکلات...... ان پر ڈھائے جانے والے مظالم اور ان کی تذلیل کی بے شمار داستانیں رقم ہیں اور ٹیپو سلطان کو اس تمام تر کاروائی کا ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے حالانکہ یہ جنگی قیدی حیدر علی کی تحویل میں تھے اور وہی اس وقت حکمرانی کے فرائض بھی سرانجام دے رہا تھا۔

تاہم ایسے عینی شواہد بھی موجود ہیں جو یہ بتاتے ہیں کہ جنگی قیدیوں کی سرنگا پٹم منتقلی کے سفر کے دوران ٹیپو سلطان کس طرح اس پالکی تک جا پہنچا تھا جس پالکی میں جنرل بیلی سفر کر رہا تھا اور اس نے اس کی دلیری اور بہادری کی تعریف کی تھی اور اس کو یہ یقین دہانی بھی کروائی تھی کہ انگریزوں کی شکست محض ان کی بدقسمتی کا نتیجہ تھی۔ اس نے جنرل بیلی کی شکایات کے ازالے کے لئے بھی ضروری اقدامات سرانجام دیے تھے۔

❖

انگریزوں کی فوجی تیاریاں

''ہندوستان میں انگریزوں کی بدترین شکست'' کی رپورٹ کلکتہ میں گورنر جنرل کو روانہ کردی گئی۔ یہ رپورٹ ایک تیز رفتار بحری جہاز کے ذریعے روانہ کی گئی تھی تاکہ جلد از جلد مطلوبہ مقام تک پہنچ سکے۔ ان دنوں وارن ہاسٹنگز گورنر جنرل کے عہدے پر فائز تھا۔ گورنر جنرل نے فوری طور پر بنگال کی تمام تر فوج مدراس کی جانب روانہ کردی۔ اس فوج کی کمان ایک تجربہ کار جرنیل کے ذمہ تھی۔ اس جرنیل کا نام جنرل آئرکوٹ تھا۔ اس بدترین شکست کے نو ہفتوں بعد یہ تازہ دم فوجی دستے مدراس پہنچ چکے تھے۔ مدراس کے گورنر کو سبکدوش کردیا گیا تھا اور جنرل کوٹ فوج کو جنگ کے لئے تیار کرنے کے امور میں انتہائی جانفشانی کے ساتھ مصروف ہو چکا تھا۔ سپلائی کے مسائل سب سے زیادہ پریشان کن تھے۔ کوٹ نے یہ تخمینہ لگایا کہ فوجی سازوسامان کی باربرداری کے لئے 35,000 بیل درکار تھے۔ لیکن اتنی بڑی تعداد میں بیل حاصل کرنا ایک مشکل امر تھا۔ لہذا منافع خوروں نے خوب منافع کمایا۔ وہ کسانوں سے ساڑھے تین روپے روزانہ کرایہ کے عوض بیل حاصل کرتے تھے اور فوج کو پانچ روپے روزانہ کرایہ کے حساب سے یہ بیل کرایہ پر دے دیتے تھے۔ ایک ماہ بعد بیل کے مالک کو یہ بتایا جاتا تھا کہ اس کا بیل موت سے ہمکنار ہو چکا ہے (اکثر اطلاع درست بھی ہوتی تھی)۔ بیل کمزور تھے اور چھوٹے بھی تھے۔ لہذا چھکڑے کو کھینچنے کے لئے کئی ایک بیل اس میں جوتنے پڑتے تھے

1781ء میں کرناٹک کے ساحل پر جو لڑائیاں لڑی گئیں ان کا تذکرہ پیش کرنے کی زیر نظر کتاب میں گنجائش موجود نہیں ہے۔ پہلے کی طرح فرنگی فوج نے اپنی برتری کا لوہا منوایا اور اگرچہ جنگ کا پانسہ بدلتا رہا اور قسمت کبھی ایک حریف کا ساتھ دیتی اور کبھی دوسرے حریف کا ساتھ دیتی رہی۔ حیدر علی بھی اونچ نیچ کا شکار رہا۔ نوجوان ٹیپو کو فروری 1782ء میں ایک انگریز فوجی دستے پر برتری اور فتح نصیب ہوئی۔ یہ انگریز فوجی دستہ کرنل برتھ ویٹ کے زیر کمان تھا۔ اس جنگ کے بعد کئی ایک انگریز سنے جنگی قیدی بھی بنائے گئے اور ان کو سرنگاپٹم روانہ کر دیا گیا تاکہ وہاں پر پہلے سے موجود انگریز جنگی قیدیوں میں شمولیت اختیار کر سکیں۔ 1781ء کا تمام تر برس فوجی پیش قدمیوں کی نذر ہوا اور افواج آگے پیچھے پیش قدمیاں سرانجام دیتی رہیں۔ تاہم تمام تر واقعات محض فوجی نوعیت کے حامل نہ تھے۔ جنگ کے ساتھ ساتھ وارن ہاسٹنگز نے ایک فعال اور مہارت سے بھرپور سفارت کاری کا مظاہرہ کیا اور جائز اور ناجائز طریقے استعمال کرتے ہوئے وہ مرہٹوں اور نظام حیدرآباد کو اس امر پر قائل کرنے میں کامیاب ہوگیا کہ وہ اپنا علیحدہ اتحاد قائم کریں۔ ایک مرتبہ پھر میسور تن تنہا میدان جنگ میں کھڑا تھا۔ ایسا دکھائی دیتا تھا کہ 1782ء کے آغاز میں حیدر علی کرناٹک کے انخلاء کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

مارچ 1782ء میں میسور کی صورت حال میں اچانک بہتری پیدا ہوئی جبکہ فرانسیسی فوجی دستے جن کی تعداد 3000 افراد کی نفری پر مشتمل تھی میسور آن پہنچے تھے اور وہ اپنے ہمراہ یہ خوش خبری بھی لائے تھے کہ مزید فرانسیسی فوجی دستے بھی میسور پہنچ رہے تھے۔ لیکن افسوس کہ فرانسیسیوں نے زیادہ دم خم نہ دکھایا اور انہوں نے فرنگیوں پر حملہ آور ہونے کے کئی ایک مواقع محض اس لئے ضائع کر دیے کہ وہ دیگر فرانسیسی فوجی دستوں کی آمد کے منتظر تھے جن کا وعدہ ان کے ساتھ کیا گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حیدر علی انتہائی پریشان اور مشتعل تھا۔ جن مزید فرانسیسی فوجی دستوں کے

پہنچنے کا وعدہ کیا گیا تھا وہ فوجی دستے 1783ء تک بھی نہ پہنچ پائے تھے اور اس وقت تک حیدر علی بھی موت سے ہمکنار ہو چکا تھا۔

فرنگیوں نے مغرب میں مالابار کے ساحل پر ابھی دوسرا محاذ نہ کھولا تھا۔ مارچ 1782ء اس علاقے میں تین تازہ دم رجمنٹیں بھی آن پہنچی تھیں۔ ہر ایک رجمنٹ اپنے کمانڈر کے زیر کمان تھی۔ اب جو جنگ لڑی گئی تھی وہ میسوریوں کے حق میں نہ تھی جو محض اپنا دفاع سرانجام دے رہے تھے۔ ایک مرتبہ پھر یورپی جنگی مہارت نے اپنی برتری کا مظاہرہ کیا۔ حتیٰ کہ ہندوستان کی کثیر تعداد کی حامل فوج بھی فرنگیوں کی بہترین تربیت کی حامل فوج کے سامنے نہ ٹھہر سکی۔

اب حیدر علی نے اپنے بیٹے ٹیپو سلطان کو مالابار ساحل کی کی جانب روانہ کیا تا کہ وہ جنگی قیادت اپنے ہاتھ میں لے سکے۔ وہ نومبر 1782ء کو منزل مقصود پر پہنچ چکا تھا۔ اس کو منزل مقصود تک پہنچنے کیلئے مسلسل دو ماہ تک پیش قدمی سرانجام دینی پڑی تھی۔ فرنگی ٹیپو سلطان کا از حد احترام کرتے تھے اور اس کی صلاحیتوں کے قائل بھی تھے۔ لہٰذا انہوں نے محتاط انداز میں ساحلی شہر پونانی کی جانب پسپائی اختیار کرنی شروع کی۔

ٹیپو سلطان اب محاصرہ سرانجام دینے کی تیاریوں میں مصروف تھا اور اس نے شہر سے تقریباً ایک کلومیٹر کے فاصلے پر اپنا خیمہ نصب کرایا تھا اور اس کا خیمہ توپ خانے کی زد سے باہر تھا مگر یہاں سے شہر کا نظارہ کیا جا سکتا تھا۔ اس شہر پونانی کی قلعہ بندیاں بہتر صورت حال کی حامل نہ تھیں...... دفاع سرانجام دینے والے افراد تعداد میں قلیل تھے اور وہ متوقع جنگ سے خوفزدہ تھے۔ بالآخر انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ شہر خالی کر دیا جائے اور آدھی رات کے وقت شہر سے راہ فرار حاصل کر لی جائے بجائے اس کے کہ شکست کا سامنا کرنا پڑے۔ وہ ٹیپو سلطان کے کیمپ میں جاری نقل و حرکت سے مزید پریشانی کا شکار ہوئے تھے...... لوگ ہاتھوں میں مشعلیں پکڑے اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ لوگ با آواز بلند دعائیں مانگ رہے تھے...... یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ صبح کے وقت حملہ متوقع تھا۔

تاہم صبح کے وقت خاموشی تھی۔ انگریز حیران تھے کہ فوجی گشت سرانجام دیتے نظر نہ آ رہے تھے۔

رات کے دوران دونوں فریق پسپائی اختیار کر چکے تھے مگر انہوں نے مختلف سمتوں کی جانب پسپائی اختیار کی تھی۔ شام کے وقت ٹیپو سلطان کو یہ خبر ملی تھی کہ دسمبر میں اس کے والد کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس نے 7 دسمبر کو انتقال کیا تھا۔ لہٰذا اسے گھر واپس پہنچنے کی جلدی تھی تا کہ وہ تخت تک اپنی رسائی کو ممکن بنا سکے۔

اس غیر معمولی واقعہ کو ”دہری پسپائی“ کے نام سے تعبیر کیا گیا۔

* * *

تخت نشینی اور ایک جنگ

تخت نشینی کے لئے رسہ کشی اور کشمکش کا مظاہرہ ہندوستان کے شاہی درباروں میں اکثر دیکھنے میں آتا تھا۔ لہٰذا ٹیپو سلطان کے لئے بھی یہ ضروری تھا کہ وہ موقع پر موجود ہو اور تخت تک اپنی رسائی کو ممکن بنائے۔ وہ قاصد جو حیدر علی کی موت کی خبر لے کر آیا تھا اس نے متواتر چار روز تک دن اور رات تیز ترین سفر سرانجام دیا تھا۔ صاف ظاہر ہے کہ اس نے یہ سفر گھوڑے کی پشت پر سرانجام دیا تھا۔ لیکن ٹیپو سلطان کی فوج کو مالا بار سے مین آرمی کے کیمپ تک رسائی حاصل کرنے کے لئے ایک لمبی پیش قدمی سرانجام دینا تھی جہاں پر حیدر علی موت سے ہمکنار ہوا پڑا تھا۔ حیدر علی کے کئی ایک وفادار خادم بھی تھے۔ ان میں میر صادق...... وزیر خزانہ اور پونیا وزیر اول بھی شامل تھا۔ ان لوگوں نے اس امر کو بہتر گردانا کہ حیدر علی کی موت کو خفیہ رکھا جائے تاکہ ٹیپو سلطان کو یہ موقع میسر آئے کہ وہ بخیر و خوبی واپس پہنچ سکے۔ کئی ایک روز تک کمانڈر کے خیمے میں معمول کی کاروائیاں تعطل کا شکار رہیں۔ چند روز بعد حیدر علی کے جسد خاکی کو وہاں سے اٹھایا گیا اور یہ کام بھی خفیہ طور پر سرانجام دیا گیا۔ اس کی لاش کو ایک صندوق میں رکھا گیا جس کے ذریعے خزانہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جاتا تھا اور یہ ظاہر کیا گیا کہ خزانہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جا رہا تھا۔

تاہم یہ راز ایک راز نہ رہا اور یہ راز فاش ہو گیا اور اس کے نتیجے میں ایک سازش منظر عام پر آئی۔ اس سازش کے شرکاء نے یہ منصوبہ بنایا تھا کہ اقتدار پر قبضہ کر لیا جائے اور رسمی طور پر کریم کو اقتدار اعلیٰ سونپ دیا جائے...... کریم جو ٹیپو سلطان کا فاتر العقل بھائی تھا۔ ان کا یہ منصوبہ بھی فاش ہو چکا تھا۔ لہٰذا سازشیوں کو گرفتار کیا گیا اور سرنگا پٹم کے قید خانے میں بند کر دیا گیا۔

22 روز تک مسلسل پیش قدمی سرانجام دینے کے بعد بالآخر ٹیپو سلطان بھی مین کیمپ پہنچ چکا تھا۔ وہ 2 جنوری 1783ء کو مین کیمپ پہنچا تھا۔ اس نے کسی تقریب کے انعقاد کے بغیر ہی اپنی تخت نشینی کو ترجیح دی اور رعایا کو بھی اس تقریب میں شامل نہ کیا۔ لیکن اس نے اپنی سپاہ کو نوازنے میں غفلت نہ برتی اور اپنے وزراء کو بھی نوازنے میں لاپرواہی کا مظاہرہ نہ کیا۔ ٹیپو سلطان کو ان افراد کی فہرست پیش کی گئی جو اس کے خلاف سازش میں پیش پیش تھے لیکن ٹیپو سلطان نے یہ کہتے ہوئے اس فہرست کے ٹکڑے کر دیئے کہ:

”میں فرنگیوں کے خلاف جنگ لڑ رہا ہوں نہ کہ اپنے لوگوں کے خلاف جنگ لڑ رہا ہوں“

لہٰذا ٹیپو سلطان پرامن طریقے سے تخت نشین ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا اور اس سلسلے میں کوئی خون خرابہ نہ ہوا تھا۔

حیدر علی کی موت (7 دسمبر 1782ء) کی خبر سن کر فرنگی از حد خوش ہوئے تھے اور انہوں نے مدراس میں کرسمس کا تہوار دوگنے جوش جذبے اور ولولے کے ساتھ منایا تھا اور گرجا گھروں میں شکرانے کی سروس بھی سرانجام دی گئی تھی۔ فرنگی یہ امید لگائے بیٹھے تھے کہ حیدر علی کی وفات کے بعد میسور اندرونی خلفشار اور انتشار کا شکار ہو اور اس کے خلاف جنگ جاری رکھنا ان کے حق میں بہتر ثابت ہو۔

اب میدان جنگ تبدیل ہو چکا تھا۔ اب یہ میدان ہندوستان کے مغربی ساحل کی جانب تبدیل ہو چکا تھا۔

……◆……

جنرل میتھیو اور بجنور

دسمبر 1782ء میں اپنے باپ حیدر علی کی وفات کے پیش نظر ٹیپو سلطان کو مالابار ساحل سے فوری طور پر پسپائی اختیار کرنا پڑی تھی اور اس کی پسپائی اختیار کرنے کی وجہ سے یہ علاقہ فرنگیوں کے قبضے میں آ چکا تھا۔ اب فرنگی اس کے شہروں اور قلعوں کی وساطت سے ساحلی علاقے پر اپنی عملداری کو ممکن بنا رہے تھے۔ ممبئی میں حیدر علی کی وفات خبر موصول ہونے سے پیشتر ہی گورنر نے اس علاقہ میں جارحیت کا ارتکاب کرنے کے منصوبے تیار کر رکھے تھے تاکہ کرناٹک پر دباؤ کم کیا جا سکے۔ حملہ آور ہونے کے لئے بجنور کے ضلع کا انتخاب کیا گیا تھا جو کہ ساحل سے تقریباً 50 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع تھا۔ یہ شہر ایک امیر اور خوش حال ضلعے کا دارالخلافہ تھا۔ مزید برآں یہاں پر اکثر ایک بڑا خزانہ محفوظ رکھا جاتا تھا اور یہ ایک فاضل کشش کا باعث تھا۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ انگلستان سے آنے والے تازہ دم فوجی دستے اس کارروائی کے لئے استعمال کئے جائیں اور ان کی کمان جنرل میتھیو کے سپرد کی گئی تھی۔ جنوری 1783ء کے دوران اس فوج نے ساحل سے اپنی پیش قدمی کا آغاز کیا اور اس دوران کچھ چھوٹے قلعوں پر قبضہ بھی جما لیا۔ بجنور کا گورنر اپنی نوجوانی کے عالم میں حیدر علی کا قیدی رہ چکا تھا۔ اسے فوجی تربیت فراہم کی گئی تھی اور اس نے اسلام بھی قبول کر لیا تھا۔ حیدر علی اسے از حد پسند کرتا تھا اور وہ اس کا خصوصی منظور نظر تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اسے بجنور جیسے امیر ضلع کی گورنری عطا کی گئی تھی۔ لیکن ٹیپو سلطان کے ساتھ اس کے تعلقات کبھی بھی بہتر نوعیت کے حامل نہ رہے تھے اور اب اسے یہ خطرہ لاحق تھا کہ اسے اس کے عہدے سے برطرف کر دیا جائے گا۔ اب فرنگیوں کے حملے کے نتیجے میں اسے ایک موقع میسر آیا تھا۔ اس نے بغیر جنگ لڑے اس شرط پر شہر فرنگیوں کے حوالے کرنے کی پیش پیش کی کہ اس کی گورنری کو برقرار رکھا جائے۔ جنرل میتھیو اس دلکش پیش کش کو رد نہ کر سکا اور بغیر جنگ لڑے ہی شہر پر فرنگیوں کا قبضہ ہو گیا۔ شہر پر قبضہ کرنے کے بعد کچھ لوٹ مار کے واقعات بھی منظر عام پر آئے۔ اس سلسلے میں گدوانی لوٹ مار کے ایک واقعہ پر روشنی ڈالتا ہے جو ایک مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے:

> "کچھ فرنگی فوجی لوٹ مار سرانجام دینے کیلئے ایک گھر میں گھس گئے۔ پہلے پہل اہل خانہ نے کسی قسم مزاحمت کی کوشش نہ کی۔ لیکن جب فوجیوں نے اس خاندان کے ایک فرد کی بیوی پر ہاتھ ڈالا تب اس گھر کا بوڑھا سربراہ خاموش نہ رہ سکا اور اس نے مداخلت سرانجام دینا اپنا فرض سمجھا۔ لہٰذا نوبت ہاتھا پائی تک جا پہنچی اور بالآخر اس بوڑھے سربراہ کو مار مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ گھر کا ایک خوف زدہ خدمت گزار گھر سے باہر کی جانب بھاگ نکلا اور مدد کیلئے پکارنے لگا۔ اتفاق سے جنرل میتھیو نزدیک ہی شہر کے معائنے کا دورہ سرانجام دے رہا تھا۔ لہٰذا اس نے مداخلت کی۔ لوٹ مار کرنے والے فوجیوں کو اس کے حکم پر گرفتار کر لیا گیا اور لوٹ مار کا اسباب متعلقہ خاندان کو واپس کر دیا گیا۔ اس نے خاندان کے ہلاک ہونے والے بوڑھے سربراہ کی جانب ہمدردی سے دیکھا اور اس کی نوجوان بہو کی جانب بھی ہمدردی کے ساتھ دیکھا جس کی گود میں دو ماہ کا بچہ بھی تھا۔ اس کے بعد وہ منہ سے کوئی لفظ نکالے بغیر گھر سے باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد ہمسایے اس بدقسمت خاندان کی جانب لپکے اور

اس خاندان کے اہل خانہ کو تسلی دینے لگے اور اظہار افسوس کرنے لگے۔

شام کے وقت اس بدقسمت گھر کے سامنے ایک پالکی آ کر رکی۔ اس کے ہمراہ سات سپاہی بھی موجود تھے۔ ان کو یہ حکم ملا تھا کہ اس خاندان کی نوجوان بہو کو جنرل میتھیو کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ اس نے جانے سے انکار کر دیا لیکن سپاہیوں نے حکم کی تعمیل سرانجام دینا تھی۔ لہٰذا وہ امید کے ساتھ سپاہیوں کے ہمراہ چل پڑی کہ عین ممکن تھا کہ جنرل اس خاندان کے نقصان کی کچھ تلافی کرنا چاہتا ہو۔ ایک ہمسائے نے بھی اس خاتون کے ہمراہ جانے کی خواہش کا اظہار کیا لیکن اس کی اس خواہش کو رد کر دیا گیا۔ تاہم وہ اپنے بچے کو اپنے ہمراہ لے آئی۔

جنرل کے ہیڈ کوارٹر پہنچنے پر اس خاتون کو پالکی سے اتارا گیا اور اسے کمرہ استقبالیہ میں پہنچا دیا گیا جبکہ پالکی باہر ہی انتظار کرتی رہی۔ جنرل میتھیو مکمل وردی میں ملبوس کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے اپنے تمام تر تمغے اپنے سینے پر سجا رکھے تھے۔ اس نے خاتون کو انتہائی مہربانی کے ساتھ ڈرائنگ میں چلنے کیلئے کہا۔ خاتون کو اب یقین ہو چکا تھا کہ اسے اس نقصان کی تلافی کیلئے طلب کیا گیا تھا جو نقصان اس کے خاندان کو پہنچایا گیا تھا۔

ڈرائنگ روم میں اس خاتون کو بیٹھنے کے لئے کہا گیا اور اس نے اپنے بچے کو بھی ایک صوفے پر بٹھا دیا۔ جنرل جلد ہی کمرے سے باہر نکل گیا اور جب واپس آیا تب اس نے محض ایک پاجامہ پہن رکھا تھا۔ اب اس نے خاتون کو بیڈ روم میں چلنے کے لئے کہا۔ جب خاتون نے انکار کیا تب جنرل نے اسے زبردستی اپنی آغوش میں بھر لیا اور اس کا بوسہ لینے کی کوشش کی۔ وہ خاتون چیخنے چلانے لگی اور مزاحمت کرنے لگی۔ اس نے میز سے کوئی وزنی شے اٹھائی اور پوری قوت کے ساتھ جنرل کے سر پر دے ماری۔ جنرل کی گرفت اس خاتون پر ڈھیلی پڑ گئی اور اس کے سر سے خون بہنے لگا۔ جنرل کا چہرہ غصے سے سرخ ہو چکا تھا۔ خاتون نے اپنے بچے کو گود اٹھایا اور چیختی چلاتی دروازے کی جانب بھاگی۔ اس نے دروازے کو بند پایا۔ دروازے کو تالا لگا ہوا تھا۔ غصے سے لال پیلا ہوتے ہوئے جنرل نے دوبارہ خاتون کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ اس سے اس کا بچہ چھین کر اسے ایک ٹانگ سے پکڑا اور گھما کر کھڑکی کی جانب اچھال دیا اور بچہ کھڑکی سے باہر جا گرا۔ بچے کی ماں کا رنگ زرد پڑ چکا تھا اور وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں تھی۔ جنرل نے اس کے کپڑے پھاڑ دیے اور اس بے ہوش خاتون کی آبرو ریزی کی۔ فارغ ہونے کے بعد اس نے اپنے محافظوں کو طلب کیا اور ہنوز بے ہوش اور کپڑوں سے بے نیاز خاتون کو ان سپاہیوں کے حوالے کر دیا اور کہنے لگا کہ:

''یہ ایک سرد عورت تھی۔ اسے گرم کرنے کی کوشش کرو بشرطیکہ تم اسے گرم کرنے پر قادر ہو''۔

چند گھنٹوں کے بعد اس بدقسمت خاتون کو پالکی میں ڈالا گیا اور اس کے بدقسمت خاندان کے گھر پہنچا دیا گیا۔

صبح کے وقت ایک شخص اس بدقسمت خاتون کے مردہ بچے کے ہمراہ آن پہنچا۔ یہ بچہ اس جنرل کے ہیڈ کوارٹر کے باہر پڑے کوڑا کرکٹ

کے ایک ڈھیر پر مردہ پڑا ہوا ملا تھا۔ اس خاتون کا خاوند ٹیپو سلطان کی فوج میں خدمات سرانجام دے رہا تھا۔ اس کو اس واقعہ کی اطلاع دی گئی۔ وہ واپس آیا اور اپنی بدقسمت بیوی کو دیکھا جو جسمانی اور نفسیاتی طور پر زخموں سے چُور تھی۔ ایک ماہ بعد حالات نے کروٹ لی اور جنرل میتھیو ٹیپو سلطان کا جنگی قیدی بن گیا اور قدرت نے اس جرنیل کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا۔ جنگی قیدی بنائے گئے افسران کے ساتھ ٹیپو سلطان ہمیشہ بہتر سلوک روا رکھتا تھا اور یہ جرنیل بھی ایک پالکی میں سفر کر رہا تھا جبکہ سپاہی پیدل سفر طے کر رہے تھے۔ وہ شخص جس کے بچے اور بیوی کو اس شخص نے ظالمانہ طریقے سے ہلاک کر دیا تھا وہ بھی اپنی ڈیوٹی سرانجام دے رہا تھا۔ اس کی ڈیوٹی جنگی قیدیوں کی نگرانی اور حفاظت تھی۔ جب اس نے جرنیل کو پالکی کی گدی پر محو آرام دیکھا تو اس کا خون کھول اٹھا اور اس نے اپنی تلوار کے ساتھ اس جرنیل کا کام تمام کر دیا۔

جب ٹیپو سلطان کے علم میں یہ بات آئی تو اسے از حد غصہ آیا اور اس نے فرنگی جرنیل کے قاتل کو گرفتار کر لیا۔ ٹیپو سلطان کی فوج میں جنگی قیدی پر حملہ آور ہونا ایک بہت بڑا جرم تصور کیا جاتا تھا کیونکہ جنگی قیدی اپنے دفاع کے بھی قابل نہیں ہوتا تھا۔ اس شخص نے جس نے فرنگی جرنیل کو ہلاک کیا گیا دوران قید خودکشی کر لی۔ اب ٹیپو سلطان کو مکمل داستان سے آگاہ کیا گیا تھا۔ لہٰذا اس نے اس شخص کے اہل خانہ کیلئے گراں قدر پنشن مقرر کر دی تھی۔

* * *

اگلا نشانہ……اننت پور

بجنور فرنگیوں کے قبضے میں جا چکا تھا۔ غدار گورنر نے دیگر قلعوں کے کمانڈروں کو بھی یہ احکامات روانہ کئے تھے کہ وہ کسی مزاحمت کے بغیر ہی ہتھیار ڈال دیں تاہم انت پور قلعہ کے کمانڈر نے گورنر کی غداری کو بھانپ لیا تھا اور اس نے ہتھیار ڈالنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ اس کے قلعے کا محاصرہ کر لیا گیا تھا اور دس روز بعد اس قلعے کو فتح کر لیا گیا تھا۔ چونکہ اس قلعہ کی مزاحمت سرانجام دی گئی تھی لہٰذا جنرل میتھیو نے حکم دیا کہ کسی بھی جنگی قیدی کو زندہ نہیں لے جایا جائے گا۔ لہٰذا خون ریزی اور کشت وخون کا بازار گرم ہوا۔ لاتعداد افراد اس خون ریزی کی بھینٹ چڑھے۔ مختلف ذرائع اس بارے میں مختلف نظریات کے حامل ہیں۔ ایک انگریز سپاہی نے اپنے باپ کے نام اپنے خط میں ان واقعات کا تذکرہ کیا تھا جو رونما ہوئے تھے۔ اس نے بیان کیا تھا کہ شہریوں کو کس طرح ہلاک کیا گیا تھا اور ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا تھا:

> ”100 خوبصورت خواتین..... تمام کی تمام سنگینوں کے زخموں سے چور تھیں اور ان کے زخموں سے خون بہہ رہا تھا۔ ان میں سے کچھ خواتین زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے موت سے ہمکنار ہو چکی تھیں اور کچھ ایک دوسرے کے بازوؤں میں جان جان آفرین کے حوالے کر رہی تھیں جبکہ عام سپاہی ان کے جسموں سے زیور اتارنے میں مصروف تھے۔ ان میں سے کئی ایک خواتین نے ایک بڑے تالاب میں چھلانگ لگا کر اپنے آپ کو موت کے حوالے کر دیا تھا“۔

کچھ اور بھی شواہد موجود ہیں جو اس واقعہ کی اس سے کم تر درجے کی حامل خونی تصویر پیش کرتے ہیں اور جیسا کہ جنگی پراپیگنڈہ میں اکثر یہ

دیکھنے میں آتا ہے کہ رپورٹیں متضاد نوعیت کی حامل ہوتی ہیں۔ تاہم اس امر کو مدنظر رکھنا چاہیے کہ درج بالا تحریر ایک انگریز کی تحریر ہے جو یہ کبھی نہیں چاہے گا کہ وہ اپنے ذاتی خط میں اپنے ہم وطنوں کو غارت گر اور قاتل کے روپ میں پیش کرے۔ درج بالا اقتباس پہلی مرتبہ 1784ء میں ایک کتاب میں شائع ہوا تھا۔ اس کتاب کی اشاعت کا اہتمام ایسٹ انڈیا کمپنی نے کیا تھا جو اکثر اپنے جنگی قیدیوں پر ٹیپو سلطان کے مظالم کا رونا روتی رہتی تھی۔ اس کتاب میں یہ بھی تحریر تھا کہ:

> ”...... ٹیپو سلطان واضح طور پر انتقام لینے کے اصول پر عمل پیرا تھا اور ایک صاف گو شخص اس امر کو تسلیم کرے گا کہ کمپنی کی فوج کا غیر منصفانہ رویہ دشمن کو انتقامی رویہ اپنانے میں حق بجانب ثابت کرتا تھا“۔

◆

بجنور پر دوبارہ قبضہ کر لیا گیا

حیدر علی کی وفات کے بعد ٹیپو سلطان کو اکیلے ہی یہ فیصلہ سرانجام دینا تھا کہ جنگ کو کس طرح جاری رکھا جائے اور اس کو کس طرح جیتا جائے۔ اس نے یہ فیصلہ کیا کہ مالابار کے ساحل کو دوبارہ نشانہ بنایا جائے کیونکہ ایسا دکھائی دیتا تھا کہ مدراس کی جانب فرنگی ایک بھرپور جنگ لڑنے کی صلاحیت کے حامل نہ تھے۔ لہٰذا اس نے اپنی مسلح افواج اپنے زیر کمان مغرب کی جانب حرکت کرنے کے احکامات صادر کر دیے۔ یہ ایک طویل فاصلہ تھا اور بجنور پہنچنے کے لیے کم از کم 60 منازل طے کرنا ضروری تھا۔ جنرل میتھیو کی فوج دو حصوں میں منقسم ہو چکی تھی۔ فوج کا ایک حصہ لوٹ مار میں مصروف تھا اور ٹیپو سلطان بجنور کی دیواروں کے باہر اپنی فوجوں کا اجتماع بخوبی سرانجام دے سکتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جنرل میتھیو نے 18 روز تک دلیرانہ مزاحمت سرانجام دی۔ لیکن خوراک...... پانی اور اسلحہ اپنے اختتام کو پہنچ چکا تھا۔ لہٰذا 28 اپریل کو اس نے ہتھیار ڈال دیے۔ اس اطاعت کی شرائط فرنگیوں کے حق میں بہتر تھیں:

☆ ہتھیار پھینکنے کے بعد فرنگی فوج کو زندہ سلامت نکلنے کی اجازت ہوگی اور ان کو اپنی نگرانی میں ساحل تک پہنچایا جائے گا۔ بیمار اور زخمی سپاہ کیلیے گاڑیوں کا بندوبست کیا جائے گا۔

☆ فرنگی فوج بجنور میں تمام تر پبلک پراپرٹی محفوظ رکھے گی اور آئندہ تین ماہ تک ٹیپو سلطان کے خلاف کسی بھی مخالفانہ کارروائیوں میں ملوث نہ ہوگی

جب فرنگیوں نے قلعہ خالی کر دیا تب ٹیپو سلطان نے قلعے کا معائنہ سرانجام دیا اور اس کے علم میں یہ بات آئی کہ کثیر جنگی خزانہ غائب تھا۔ یہ اطاعت قبول کرنے کی شرائط کی کھلم کھلا خلاف ورزی تھی اور ٹیپو سلطان غصے کا شکار تھا۔ اس نے فرنگیوں کی پیش قدمی رکوا دی اور یہ حکم جاری کیا کہ ہر ایک فوجی کی تلاشی لی جائے۔ تلاشی لینے پر یہ انکشاف ہوا کہ ہر ایک فوجی افسر کی جیبیں رقوم سے بھری پڑی تھیں۔ جب تلاشی کا عمل شروع ہوا تب جنگی قیدیوں میں بھی کھلبلی مچ گئی اور انہوں نے یہ کوشش کی کہ رقوم کو جہاں چھپا سکتے تھے چھپا لیں۔ لیکن ان کا یہ حربہ کامیاب نہ ہو سکا۔ اس تلاشی کے

دوران خزانے کا ایک کثیر حصہ برآمد کر لیا گیا۔ ٹیپو سلطان نے اب یہ احکامات جاری کر دیے کہ چونکہ شکست خوردہ فوج نے اطاعت قبول کرنے کی شرائط کی خلاف ورزی سرانجام دی تھی لہٰذا ان سب کو عام جنگی قیدی تصور کیا جائے گا اور یہ سب پیش قدمی کرتے ہوئے سرنگاپٹم کی کمین گاہ کی جانب جائیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ ٹیپو سلطان کے خلاف یہ پراپیگنڈہ کیا گیا کہ اس نے شکست خوردہ فرنگیوں کے ساتھ ناروا سلوک روا رکھا تھا۔

* * *

بنگلور کی جانب پیش قدمی

میسور کی افواج نے اب بنگلور کی جانب پیش قدمی کا آغاز کیا دیا تھا۔ یہ ایک کثیر تعداد کی حامل فوج تھی۔ اس کی نفری کی تعداد 100,000 تھی اور اس فوج میں چند ہزار فرانسیسی فوجی بھی شامل تھے۔ یہ ایک بہتر اور برتر فوج تھی۔ جنرل کیمپل بنگلور کے دفاع پر مامور تھا۔ ٹیپو نے فوری طور پر اسے بہترین شرائط کے عوض اطاعت قبول کرنے کی پیش کش کی۔ لیکن جنرل کیمپل نے اس تجویز کا جواب دینا بھی گوارا نہ کیا۔ لہٰذا میسوریوں کی محاصرہ سرانجام دینے والی توپوں نے قلعے کی دیواروں کو اپنا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ چونکہ موسم برسات کا آغاز ہو چکا تھا۔ لہٰذا بارود کو خشک رکھنے میں دقت کا سامنا تھا۔

ماہ جون کے آخر میں ہندوستان میں یہ خبر آن پہنچی کہ 9 فروری کو انگلستان اور فرانس کے درمیان امن معاہدہ طے پا چکا تھا۔ تقریباً پانچ ماہ تک ٹیپو سلطان کی فوج میں شامل فرانسیسی فوجی دستے فرنگیوں کے خلاف خونی جنگوں میں حصہ لیتے رہے تھے۔ کیونکہ وہ نہیں جانتے تھے کہ ان کے ممالک کے درمیان امن معاہدہ طے پا چکا تھا۔

اب ٹیپو سلطان کی فوج میں شامل فرانسیسی فوجی دستے فوری طور پر محاصرے سے دست بردار ہو چکے تھے۔

اس کے باوجود بھی بنگلور کا محاصرہ جاری رہا۔ تاہم محاصرے میں گھری ہوئی فرنگی فوج کو کافی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کی کافی تعداد میں ہلاکتیں بھی ہوئیں۔ وہ خوراک کی قلت کا شکار بھی رہے اور دیگر ضروریات زندگی کی قلت کا بھی شکار رہے۔ تاہم کمانڈر کیمپل نے ہتھیار نہ پھینکے ......اطاعت قبول نہ کی اگرچہ اس کے 1200 فوجی ہلاک ہو چکے تھے۔ بالآخر التوائے جنگ اور عارضی صلح کے لئے گفت وشنید کا آغاز ہوا اور اس گفت وشنید کے نتیجے میں 2 اگست کو التوائے جنگ کے معاہدے پر دستخط کئے گئے اور اس کے بعد توپیں خاموش ہو گئیں۔ التوائے جنگ یا عارضی صلح کا یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ محاصرہ اٹھا لیا گیا تھا بلکہ 2 اگست کی صورت حال جوں کی توں برقرار رہی تھی اور امن کی گفت وشنید تک اسی صورت حال نے برقرار رہنا تھا۔ تاہم فرنگی فوج کو یہ حق حاصل تھا کہ دیواروں کے باہر واقع بازار سے اشیائے خورد ونوش خرید سکتے تھے۔

* * *

بنگلور کا امن

اب امن معاہدہ طے پانا تھا۔ کئی برس پیشتر سے امن معاہدے کے لئے بات چیت جاری تھی بلکہ یہ بات چیت حیدر علی کے زمانے سے ہی جاری تھی۔ اگرچہ دونوں فریق امن چاہتے تھے لیکن امن برقرار رکھنے کے لئے جو تجاویز پیش کی گئی تھیں وہ فریقین کے لئے ناقابل قبول تھیں۔ اس حوالے سے گورنر جنرل ہاسٹنگز ایک ''شاہین'' تھا جبکہ گورنر میک کارٹنی...... مدراس کا گورنر ایک ''فاختہ'' تھا جو کسی بھی قیمت پر امن چاہتا تھا۔ وہ مدراس کی معاشی صورت حال سے بخوبی آگاہ تھا۔ جنگ کے لئے مخصوص خزانہ بالکل خالی تھا اور بینکوں نے مزید قرض دینے سے انکار کر دیا تھا

چونکہ ان دنوں مواصلاتی نظام ایک ترقی یافتہ صورت حال کا حامل نہ تھا لہٰذا مختلف محاذوں پر برسرپیکار فوجی دستوں کو التوائے جنگ کی خبر حسب معمول بہت دیر بعد موصول ہوئی۔ اس دوران ٹیپو سلطان سے امن گفت وشنید سرانجام دینے لے لئے ایک فرنگی وفد اپنا سفر طے کر رہا تھا۔ یہ وفد دو فرنگی اہلکاروں پر مشتمل تھا جو درج ذیل تھے:

☆ انتھونی سیڈلر...... مدراس کی کمپنی کونسل کا رکن۔

☆ جارج سٹانٹن...... گورنر کا سیکریٹری۔

ان دونوں اہلکاروں کو یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ امن گفت وشنید کو پایہ تکمیل تک پہنچائیں اور انہوں نے بنگلور تک کا طویل سفر طے کرنا تھا جہاں پر ٹیپو سلطان اپنی فوج کے ہمراہ شہر کی ناکہ بندی کے دوران موجود تھا۔ چونکہ فرنگی وفد ٹیپو سلطان سے ملاقات کرنے کیلئے ایک طویل سفر طے کر رہا تھا اور ٹیپو سلطان سے ملاقات کرنے اور امن گفت وشنید سرانجام دینے کا متمنی تھا لہٰذا اس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ انگریز ایک کمتر صورت حال کا شکار ہوتے ہوئے گفت وشنید کے عمل کا آغاز کر رہے تھے۔ چونکہ وہ ایک کمتر حیثیت کے حامل تھے لہٰذا وہ امن کے طلب گار تھے اور امن چاہتے تھے

اس فرنگی وفد نے 9 نومبر 1783ء کو مدراس سے اپنے سفر کا آغاز کیا۔ قارئین کرام کو یہ تصور نہیں کرنا چاہئے کہ دو اہلکاروں پر مشتمل یہ فرنگی وفد مغرب کی جانب محض چند محافظوں کے ہمراہ اپنے سفر پر روانہ ہوا تھا۔ اس دور کے مروجہ رواج کے تحت وفد کے ساتھ شمولیت اختیار کرنے والے ارکان کی تعداد اس وفد کی اہمیت اور حیثیت اور مرتبے کے عین مطابق ہوتی تھی۔ چنانچہ اس وفد کے ہمراہ جو قافلہ سفر کر رہا تھا وہ 1,564 افراد کے علاوہ 740 قلیوں...... دس ہاتھی اور بارہ اونٹ ڈرائیوروں پر مشتمل تھا۔ لہٰذا یہ وفد ایک مختصر فوج کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ اس قافلے کو منزل مقصود تک پہنچنے کی کوئی جلدی نہ تھی۔ قافلہ محض اس وجہ سے مزید تاخیر کا شکار ہوا کہ مون سون کی بارشیں شروع ہو چکی تھیں جن کی وجہ سے سڑکوں پر کیچڑ تھا اور سفر دشوار گزار نوعیت کا حامل بن چکا تھا۔ اس کے علاوہ وہ سرنگا پٹم میں اپنے ہم وطن جنگی قیدیوں سے بھی ملاقات کا ارادہ رکھتے تھے کیونکہ سرنگا پٹم ان کے راستے میں پڑتا تھا۔ لیکن ٹیپو سلطان نے انہیں اپنے ہم وطن جنگی قیدیوں سے ملاقات کرنے کی اجازت فراہم کرنے سے سختی کے ساتھ انکار کر دیا تھا۔ وہ ایک ایسے مقام پر 17 روز تک مقیم رہے جو سرنگا پٹم سے 60 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع تھا۔ وہ اس مقام پر اس امید کے ساتھ مقیم رہے کہ عین ممکن تھا کہ انہیں اپنے ہم وطن جنگی قیدیوں کے ساتھ ملاقات کرنے کی اجازت فراہم کر دی جائے۔

لیکن انہیں اپنے ہم وطن جنگی قیدیوں کے ساتھ ملاقات کرنے کی اجازت فراہم نہ کی گئی۔ لہٰذا وفد نے میسوری حکام کو اس امر کے لئے راغب کر لیا کہ وہ ان کے لائے ہوئے تحائف ان کے ہم وطن جنگی قیدیوں تک پہنچا دیں۔ میسوری اس امر پر آمادہ ہو گئے۔ لہٰذا لاتعداد قلی ان جنگی قیدیوں کی جانب روانہ کئے گئے جنہوں نے اپنے سروں پر تحائف کا بوجھ اٹھا رکھا تھا۔ ان تحائف میں درج ذیل اشیاء شامل تھیں:

- وسکی کی 54 عدد پیٹیاں جبکہ ہر پیٹی میں وسکی کی 15 تا 18 بوتلیں موجود تھیں
- برانڈی کی 34 عدد پیٹیاں
- جوتوں سے بھرا ہوا ایک صندوق
- تین عدد صندوق جو ہیٹوں سے بھرے ہوئے تھے۔

اس وفد کا سفر ایک دشوار گزار سفر تھا۔ لہٰذا اس قافلے میں شامل کئی ایک لوگ بیماری سے ہمکنار ہو چکے تھے اور ان کو پیچھے چھوڑ کر بقایا قافلے نے اپنا سفر جاری رکھا تھا۔ اس کے علاوہ دوران سفر اس وفد کے دونوں اہلکار بھی آپس میں جھگڑ پڑے تھے جس کی بنا پر گورنر کو ایک اور اہلکار اس وفد کی جانب روانہ کرنا پڑا تھا تاکہ اہلکاروں کی تعداد دو کی بجائے تین ہو جائے اور یہ لوگ سادہ اکثریت کی بنا پر فیصلے سرانجام دے سکیں۔

کئی ایک مقامات پر اس وفد کا والہانہ استقبال بھی کیا گیا اور یہ امر بھی ان کی تاخیر کا ایک سبب بنا۔ اس وفد نے اپنا سفر طے کرنے میں کسی بھی قسم کی جلد بازی کا مظاہرہ نہ کیا حالانکہ ان کو اپنے مشن کو جلد از جلد پایہ تکمیل تک پہنچانا چاہئے تھا اور بنگلور میں اپنے محصور ہم وطنوں کو آزادی سے ہمکنار کروانا چاہئے تھا۔

◆

اور بنگلور فرنگیوں کے ہاتھ سے نکل گیا

23 جنوری 1784ء کو بنگلور کے قلعہ میں محصور فرنگیوں نے ہتھیار پھینک دیے اور اطاعت قبول کر لی۔ قلعہ کا دفاع سرانجام دینے والے فرنگی ٹیپو سلطان کی جنگ کو نو ماہ کی تاخیر سے ہمکنار کرنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ انگریز تاریخ دان ٹیپو سلطان پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ اس نے التوائے جنگ کی شرائط کی خلاف ورزی کی تھی اور قلعہ محصور فرنگیوں کو مشکلات کا شکار کیا تھا۔ لیکن دلیر اور بہادر فرنگی کمانڈر جنرل کیمبل نے انگریز تاریخ دانوں کے اس الزام کی نفی کرتے ہوئے بذات خود یہ وضاحت کی تھی کہ خوراک کی قلت محض اس بنا پر تھی کہ شرائط کی رو سے ممبئی حکومت کو یہ اجازت فراہم کی گئی تھی کہ وہ کم تر معیار کی حامل اشیائے خورد و نوش قلعہ میں روانہ کرے۔

کیمبل اور ٹیپو سلطان نے ایک دوسرے کی جانب بہادر سپاہیوں کی طرح قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا اور ایک ماہ بعد جب جنرل کیمبل ممبئی میں بستر مرگ پر دراز تھا تب اس نے پورے وثوق کے ساتھ یہ کہا تھا کہ ٹیپو سلطان نے اطاعت قبول کرنے کی شرائط پر پوری ایمانداری کے ساتھ اپنے عمل درآمد کو ممکن بنایا تھا اور فوجی دستوں کو اپنے ذاتی سامان کے ہمراہ (جس میں ہتھیار شامل نہ تھے) پیش قدمی کی اجازت فراہم کی تھی اور ان کو فوری طور پر بذریعہ بحری جہاز ممبئی کی جانب روانہ کر دیا گیا تھا۔

جس وقت بنگلور انگریزوں کے ہاتھ سے نکلا تھا اس وقت گفت وشنید سرانجام دینے والا فرنگی وفد شہر سے ہنوز دور تھا۔ اس وفد نے 3 فروری کو ٹیپو سلطان کے ہیڈکوارٹر سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر اپنے خیمے نصب کئے تھے۔ انہوں نے مدراس تا منزل مقصود کا سفر تقریباً تین ماہ میں طے کیا تھا۔

دونوں فریق انتہائی قدر و منزلت کے ساتھ ایک دوسرے سے ملے اور سب سے پہلے تحائف کا تبادلہ ہوا۔ یہ وفد اس مقصد کے لئے دو ہاتھی اپنے ہمراہ لایا تھا لیکن فرنگی وفد میں شامل تین افراد میں سے دو افراد اس نکتہ نظر کے حامل تھے کہ ہاتھی ان جانوروں میں سے ایک تھا جن کو مکروہ جانور کہا جاسکتا تھا لہٰذا اس کی جگہ دو بہترین نسل کے حامل گھوڑے تحفے میں پیش کئے گئے۔ اس کے علاوہ ٹیپو سلطان کو تحفے میں سنہری رنگ کا ایک گراں قدر سوٹ بھی پیش کیا گیا...... پگڑی میں سجانے کے لئے ہیروں اور جواہرات کا ایک سیٹ بھی پیش کیا گیا..... مختلف رنگوں کا حامل ایک گراں قدر کپڑا اور ایک تلوار بھی تحفے میں پیش کی گئی۔

اس وفد کو یہ تاکید کی گئی تھی کہ وہ برق رفتاری کے ساتھ گفت وشنید سرانجام دے۔ 18 جنوری 1784ء کو مدراس کے گورنر نے وفد کے نام اپنے ایک خط میں تحریر کیا تھا کہ:

> ''ہم محض امن کی خواہش ہی نہیں رکھتے بلکہ امن ہمارے لئے انتہائی ضروری ہے کیونکہ ہماری معاشی صورت حال ازحد ابتر ہو چکی ہے۔ لہٰذا یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ امن کے حصول کی ہر ممکن کوشش کریں اور ہر قیمت پر اسے حاصل کریں۔ لیکن حصول امن کے ذرائع ایسے ہونے چاہئیں جو ہمارے وقار کے منافی نہ ہوں''۔

لیکن گفت وشنید سرانجام دینے والے فرنگی وفد کے ارکان نے کسی برق رفتاری کا مظاہرہ نہ کیا اور وہ ٹیپو کے وکیلوں کے ساتھ میٹنگیں کرتے رہے۔ حتیٰ کہ 19 فروری کو ٹیپو سلطان نے امن معاہدے کیلئے ایک جامع ڈرافٹ پیش کر دیا۔

اس معاہدے کی اہم شق یہ تھی کہ انگریزوں نے وہ علاقے واپس کرنے تھے جو انہوں نے مالابار کے ساحل پر فتح کئے تھے اور اس کے بدلے میں میسوریوں نے وہ قلعے انگریزوں کو واپس کرنے تھے جو انہوں نے کرناٹک کے ساحل پر فتح کئے تھے۔ مزید برآں تمام تر فرنگی جنگی قیدی بھی آزاد کر دیے جانے تھے اور یہ معاملہ انگریزوں کے لئے ایک حساس معاملہ تھا۔

22 فروری کو فرنگی وفد نے بھی اپنے مطالبات پیش کر دیے۔ دیگر مطالبات کے علاوہ یہ مطالبہ بھی کیا گیا تھا کہ فرنگیوں کو میسور میں کاروباری سہولتیں فراہم کی جائیں اور سرنگاپٹم میں ایک انگریز ریذیڈنٹ بھی مقرر کیا جائے۔ لیکن انکے ان مطالبات کو رد کر دیا گیا...... ٹیپو سلطان نے ان مطالبات کو اس نکتہ نظر کے تحت رد کر دیا تھا کہ ان مطالبات کو تسلیم کرنے سے میسور کی آزادی داؤ پر لگ سکتی تھی۔ ٹیپو سلطان نے یہ بھی محسوس کیا کہ فرنگی وفد کی جانب سے اس قسم کے مطالبات پیش کرنے کی وجہ سے مزید بات چیت بے معنی اور فضول ثابت ہو سکتی تھی لہٰذا اس نے گفت وشنید کے عمل کو منقطع کرنے کی دھمکی دے دی۔

اس دھمکی کے موصول ہونے کے بعد فرنگی وفد خوف و ہراس کا شکار ہو گیا اور اس وفد نے فوری طور پر اپنے کئی ایک مطالبات واپس لے

لئے۔ اب اس معاملے کو حتمی شکل عطا کی جانے لگی اور فریقین کے درمیان مختلف ڈرافٹوں کا تبادلہ ہوا۔ ٹیپو سلطان نے اپنے آپ کو گفت وشنید کا ایک ماہر ثابت کیا۔ جب فرنگی وفد نے اس سلسلے میں نئی مشکلات کھڑی کرنے کی کوشش کی تب ٹیپو سلطان نے انہیں یہ باور کروایا کہ وہ اگلے روز سرنگاپٹم روانہ ہونے کا ارادہ رکھتا تھا اور اگر اگلے روز تک کوئی معاہدہ طے نہ پایا گیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دشمنی اور عداوت کا ایک نیا دور شروع ہو جائے گا۔

اس دھمکی کے بعد فرنگی وفد نرم پڑ گیا اور 11 مارچ 1784ء کو امن معاہدے پر دستخط کر دیئے گئے۔ یہ معاہدہ نو عدد شقوں پر مشتمل تھا...... ان میں سے اہم ترین شق یہ تھی کہ فتح کئے گئے قلعے واپس کر دیے جائیں گے اور جنگی قیدیوں کو رہا کر دیا جائے گا۔ مزید برآں اس امن معاہدے کے تحت یہ بھی طے پایا تھا کہ کوئی بھی فریق کسی متحدہ طاقت کے خلاف آمادہ جنگ نہ ہوگا اور نہ ہی دوسرے فریق کے دشمن کی مدد پر آمادہ ہوگا

یہ معاہدہ ٹیپو سلطان کی ایک سفارتی فتح تھی۔ فرنگی اپنی تذلیل کے تجربے سے دوچار ہوئے۔ انہوں نے اس سے پیشتر کبھی اس قسم کی فوجی شکست کا سامنا نہیں کیا تھا۔

گورنر جنرل ازحد پریشان تھا اور اس نے یہ کہا کہ یہ کچھ بھی نہیں ہے ماسوائے التوائے جنگ یا عارضی صلح کے لیکن معاہدہ امن پر دستخط ثبت کئے جا چکے تھے اور ہاسٹنگز کلکتہ میں تھا جو کہ میسور سے کئی ایک ہفتوں کے سفر پر واقع تھا اور وہ اپنے وفد کو اس معاہدے کو قبول کرنے سے نہیں روک سکتا تھا۔ ایک کھیلا گیا کارڈ کبھی تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔

◆

ٹیپو سلطان......اپنا وزیر خارجہ آپ

اب جب کہ معاہدہ سرنگاپٹم ٹیپو سلطان کی جیب میں تھا تب وہ سرنگاپٹم میں فاتحانہ انداز میں داخل ہو سکتا تھا جہاں پر وہ گذشتہ دو برسوں سے قدم نہ رکھ سکا تھا۔ اس وقت اس کی عمر 34 برس تھی اور وہ جنوبی ہندوستان کی ایک طاقتور ریاست کا بلاشرکت غیرے حکمران تھا۔ ٹیپو سلطان اپنی سلطنت کو استحکام بخشنے اور اسے مزید طاقتور بنانے کی جستجو میں مصروف تھا۔ وہ اپنی طاقت اور قوت میں مزید اضافہ چاہتا تھا۔ وہ ایک سماجی مصلح بھی تھا۔ اس کے ذہن میں کئی ایک نئے افکار بھی موجود تھے اور اس نے اپنے ان افکار کو عملی شکل عطا کرنے کی کوشش کا آغاز کیا۔ وہ دور دراز کے دیگر ممالک کے ساتھ بھی اپنے تعلقات اور روابط بڑھانے کا خواہاں تھا۔ اس نے میسور کے اردگرد کی دنیا کے ساتھ تجارت کو ازحد اہمیت بخشی تھی اور اس میں اضافے کی خاطر ٹیکسوں میں کمی کرنے دینے کے علاوہ وہ کسٹم ڈیوٹی میں بھی کمی کر دی تھی۔

◆

ترکی کی جانب سفارت کاروں کی روانگی

ترکی کی جانب سفارت کاروں کی روانگی کئی ایک مقاصد کی تکمیل کو ممکن بنانے کے لئے سرانجام دی گئی تھی۔ ٹیپو سلطان اس نکتہ نظر کا حامل تھا کہ خلیفہ...... مسلمانوں کا مذہبی سربراہ ہونے کی حیثیت سے پاور آف اٹارنی کا اعلان کرے گا جو اس کے میسور کی بادشاہت کے دعوے کی توثیق

کرے گی...... تائید کرے گی...... تصدیق کرے گی۔ ایک دوسرا مقصد یہ بھی تھا کہ ترکی کے ساتھ ایک تجارتی معاہدہ سرانجام دیا جائے جس کے تحت فریقین کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ ایک دوسرے کے ملک میں تجارتی مراکز قائم کر سکیں...... تجارتی چوکیاں قائم کر سکیں۔ ایک تیسرا مقصد یہ تھا کہ ترکی کے ماہرین کو میسور آنے کی دعوت دی جائے تاکہ وہ یہاں پر اسلحہ ساز فیکٹریاں لگا سکیں تاکہ ریاست میسور اسلحہ سازی کے میدان میں خود کفیل ہو سکے۔ ایک چوتھا مقصد یہ تھا کہ ترکی سے فوجی دستے میسور کی فوج میں شامل کیئے جا سکیں اور ان کے اخراجات ٹیپو سلطان برداشت کرے گا۔ سفارت کاروں کا یہ وفد ایک کثیر تعداد کا حامل تھا۔ سفارت کاروں کا یہ قافلہ چار بحری جہازوں میں سمایا تھا۔ اس قافلے میں تقریباً1200 افراد شامل تھے۔ یہ قافلہ خلیفہ کیلئے گراں قدر تحائف بھی اپنے ہمراہ لے جا رہا تھا۔ ان تحائف میں چار ہاتھی (ان میں سے کوئی بھی دوران سفر زندہ نہ بچ سکا تھا) بھی شامل تھے۔ اس وفد کی روانگی کی تیاریاں سرنگاپٹم میں نومبر1785ء کو شروع ہوئی تھی اور 9 مارچ1786ء کو یہ وفد عازم سفر ہوا تھا اور مسقط کیلئے روانہ ہوا تھا۔

مسقط تک کا سفر طے کرنے میں ایک ماہ سے زائد عرصہ صرف ہوا تھا اور دوران سفر بحری جہازوں میں سے ایک جہاز میں آگ بھڑک اٹھی تھی۔ جس کی نتیجے میں 50 قیمتی جانیں ضائع ہو گئی تھیں۔ اس کے علاوہ ایک ہاتھی بھی اس آتشزدگی کے باعث ہلاک ہو گیا تھا اور بہت سا سامان تجارت بھی جل کر راکھ ہو گیا تھا۔ یہ سامان تجارت دوران سفر مختلف مقامات پر فروخت کیا جاتا تھا۔ مقسط کے حکام نے اس وفد کا والہانہ استقبال کیا۔ لیکن نوکرشاہی کے کئی ایک مسائل کی وجہ سے وفد کو دو ماہ تک مسقط میں رکنا پڑا تھا۔ وہ 25 جون کو مسقط سے بصرہ کی جانب روانہ ہوئے اور 22 اگست 1786ء کو بصرے جا پہنچے تھے۔ اگلا سفر طے کرنے کیلئے خصوصی اجازت کا حصول درکار تھا۔ لال فیتے کے چکر اور دیگر مشکلات کی بنا پر وفد کو کافی زیادہ تاخیر کا سامنا کرنا پڑا۔ لہٰذا10 فروری1787ء کو وہ دوبارہ عازم سفر ہوئے اور 25 اپریل کو بغداد جا پہنچے۔ انہوں نے اس مقام پر محض چار روز تک قیام کیا اور بذریعہ خشکی اپنی اگلی منزل کی جانب روانہ ہوئے اور بالآخر 25 ستمبر1787ء کو منزل مقصود تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے۔ وہ ہندوستان سے روانہ ہونے کے ڈیڑھ برس بعد اپنی منزل مقصود تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ اس وفد کے سربراہ کے پاؤں کے ساتھ مسئلہ تھا۔ لہٰذا اس نے تقریباً1500 کلومیٹر کا سفر ایک پالکی میں سرانجام دیا۔

اس وفد کے دورے کا وقت انتہائی ناموزوں ثابت ہوا۔ ترک اس وقت بذات خود سیاسی مسائل کا شکار تھے۔ وہ روس اور آسٹریا کے ساتھ سیاسی مسائل میں الجھے ہوئے تھے اور انگلستان کے ساتھ دوستی کے خواہاں تھے لہٰذا وہ ان کے خلاف کسی فوجی اتحاد میں شرکت نہ کر سکتے تھے۔ 5 نومبر کو اس وفد کی ملاقات خلیفہ سے ہوئی۔ یہ ایک رسمی ملاقات ثابت ہوئی۔ خلیفہ کو تحائف کے علاوہ وہ راکٹ بھی پیش کیئے گئے جو میسور نے تیار کیئے تھے اور ان راکٹوں کو کافی زیادہ پذیرائی حاصل ہوئی کیونکہ یہاں پر اس قسم کے ہتھیار کو متعارف نہیں کروایا گیا تھا۔ قصہ مختصر یہ کہ میزبانوں نے ریاست میسور اور اس کے حکمران میں کسی قسم کی دلچسپی کا مظاہرہ نہ کیا۔ اس وفد کے حصے میں محض ایک ہی کامیابی آئی اور وہ کامیابی یہ تھی کہ وفد خلیفہ سے ایک فرمان جاری کروانے میں کامیاب ہو گیا جس کے تحت ٹیپو سلطان کی بادشاہت کو تسلیم کیا گیا تھا اور اس کی بادشاہت کی توثیق کی گئی تھی۔ اس فرمان پر خلیفہ کے دستخط موجود تھے۔ یہ فرمان ٹیپو سلطان کے لئے گراں قدر اہمیت کا حامل تھا کیونکہ اس کی رو سے وہ میسور کا ایک حکمران قرار پایا تھا

۔ اس وفد کے ساتھ ایک اور المیہ پیش آیا۔ اس دوران میزبان ملک میں طاعون کی بیماری وبائی صورت اختیار کر گئی اور اس بیماری کی لپیٹ میں آ کر اس وفد کے 400 ارکان موت سے ہمکنار ہو گئے۔ مارچ 1788ء میں اس وفد نے واپسی کا سفر اختیار کیا اور اس مرتبہ انہوں نے مصر کے راستے اپنا سفر طے کیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ جیسے مقدس مقامات کی بھی زیارت کی اور بالآخر وہ تقریباً چار برس تک محو سفر رہنے کے بعد 29 دسمبر 1789ء کو واپس پہنچ گئے۔ ٹیپو سلطان نے اس وفد کی کارکردگی پر عدم اطمینان کا اظہار کیا۔ وہ اس سفارت کاری کے نتائج سے مطمئن نہ تھا۔ لیکن وہ کیا کر سکتا تھا؟

❖

فرانس کی جانب سفارت کاروں کی روانگی

ٹیپو سلطان رو بہ عمل رہنے کا خواہاں تھا۔ وہ ہندوستان میں فرانس کی کارکردگی سے مطمئن نہ تھا۔ لہٰذا اس نے یہ فیصلہ کیا کہ شاہ فرانس سے براہ راست رابطہ کیا دیا جائے۔ لہٰذا سفاریات کاروں کا ایک وفد (محض تین افراد اور خدمت گزار) جولائی 1787ء کو فرانس روانہ کیا گیا۔ گیارہ ماہ تک سفر کرنے کے بعد یہ وفد فرانس کے ساحل پر جا پہنچا۔ اس ساحل سے پیرس تک کا سفر اس وفد نے پانچ ہفتوں میں طے کیا۔ اس سفر کے دوران اہل فرانس ان ہندوستانیوں کو حیرانگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے جنہوں نے سروں پر پگڑیاں باندھ رکھی تھیں۔

16 جولائی 1788ء کو یہ وفد پیرس پہنچ چکا تھا۔ یہاں پر وفد کا شاندار استقبال کیا گیا اور ان کو شہر کے وسط میں واقع ایک چھوٹے سے محل میں ٹھہرایا گیا۔ وہ ایک ایسی گاڑی میں سوار شہر میں داخل ہوئے جسے چھ گھوڑے کھینچ رہے تھے اور ان کے ہمراہ فوج کا ایک اسکوارڈن بھی تھا۔ مہمان فرانسیسی دارالخلافے کی رونقیں دیکھ کر حیران رہ گئے اور وہ اپنے آپ کو اس شہر کی دلچسپیوں سے دور نہ رکھ سکے۔ وہ ان بہترین کھانوں سے بھی لطف اندوز ہوتے رہے جو انہیں پیش کئے جاتے تھے۔ وہ اس ملک کے دارالحکومت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ تقریباً ایک ماہ بعد (10 اگست 1788ء) انہیں شاہ فرانس سے ملاقات کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ آئندہ چند ہفتوں کے دوران حقیقی گفت و شنید کا آغاز ہوا۔ یہ گفت و شنید دوران ذر سر انجام دی جاتی تھی جو فرانسیسی وزیر اس وفد کے اعزاز میں دیتے تھے۔ اس کے بعد میسوری سفارت کاروں نے میسور اور فرانس کے درمیان وفاقی اور جارحانہ اتحاد قائم کرنے کی تجاویز پر مبنی ایک ڈرافٹ پیش کیا۔ اس کی بڑی بڑی شرائط درج ذیل تھیں:

☆ فرنگیوں کے ساتھ جنگ اگلے دس برس کے اندر اندر شروع کر دی جائے گی

☆ فرانس 10,000 افراد کی نفری پر مشتمل ایک فوج مہیا کرے گا جو کہ ٹیپو سلطان کے زیر کمان ہوگی اور اس کی تنخواہیں اور دیگر اخراجات ٹیپو سلطان برداشت کرے گا۔

☆ کرناٹک کی فتح کے بعد فرانسیسیوں کو مدراس اور پانڈی چری کے ارد گرد کی زمین عطا کی جائے گی۔

☆ بنگال...... بہار اور دیگر فرنگی مقبوضات کو فتح کرنے کے بعد فرانس کے حوالے کر دیا جائے گا۔

☆ میسور کے مقبوضات کی توثیق کردی جائے گی۔

تاہم فرانسیسی حکام نے اس معاہدے کے ضمن میں سرد مہری کا مظاہرہ کیا۔ فرانسیسی حکام کے نکتہ نظر کے تحت اس امر کے بہت کم مواقع موجود تھے کہ فرانس اپنے آپ کو ہندوستان میں دوبارہ ایک نمایاں یورپی طاقت کے طور پر پیش کر سکے۔ فرانسیسی حکام اس نکتہ نظر کے بھی حامل تھے کہ فرانس کو ہندوستان سے کچھ علاقوں کو فتح کرنے کی جانب اپنی توجہ مرکوز نہیں کروانی چاہیے بلکہ اس جانب اپنی توجہ مرکوز کروانی چاہیے کہ اسے کچھ ساحلی چوکیاں تجارت کی غرض سے حاصل ہو جائیں جہاں سے وہ منافع بخش تجارت سرانجام دے سکے۔ انہوں نے اس امن معاہدے کا حوالہ بھی دیا جو 1783ء میں پیرس میں فرانس اور انگلستان کے درمیان طے پایا تھا اور جس معاہدے کی رو سے دونوں فریق ایک دوسرے کے دشمنوں کے ساتھ اتحاد و الحاق نہیں کر سکتے تھے۔ دوسری جانب اہل فرانس اپنے کاریگر اور ہنرمند میسور بھیجنے پر رضامند تھے اور ٹیپو سلطان ایسے کاریگروں کی اشد ضرورت محسوس کرتا تھا۔

مزید برآں فرانسیسی حکام نے اس دوستانہ تعاون پر اپنے اطمینان کا اظہار بھی کیا جو برس ہا برس سے میسور اور فرانس کے درمیان موجود تھا۔ لیکن جب میسوری وفد نے یہ شکوہ کیا کہ 1783ء میں ہندوستان میں جنگ کے دوران اچانک فرانسیسی فوجی دستوں کو واپس بلا لیا گیا تھا...... فرانسیسی حکام اس شکوہ کے جواب میں کوئی اطمینان بخش وجہ پیش نہ کر سکے۔ صاف ظاہر تھا کہ معاہدے کے لئے پیش کردہ ڈرافٹ مبنی بر حقیقت نہ تھا اور یہ تاثر پیش کرتا تھا کہ ٹیپو سلطان انگریزوں کے خلاف اپنی نفرت میں اندھا ہو رہا تھا اور نہ ہی وہ اس سماجی اور معاشی دباؤ سے واقف تھا جس کا سامنا اس وقت فرانس کر رہا تھا جو کہ چند ماہ بعد انقلاب کا موجب بنا تھا۔ اس سفارتی وفد کے ارکان کو پیرس از حد پسند آیا تھا اور ان کو واپس جانے کی کوئی جلدی نہ تھی۔ اس وفد کے پاس موجود رقم خرچ ہو چکی تھی لہٰذا انہیں اپنے میزبان سے رقم قرض لینا پڑی۔ ان کے میزبان یہ محسوس کر رہے تھے کہ یہ مہمان ان پر بوجھ بن چکے تھے لہٰذا ان کو مشورہ دیا گیا کہ وہ روانگی کا سفر اختیار کریں۔ لہٰذا 19 اکتوبر کو یہ سفارتی وفد پیرس سے روانہ ہوا اور 17 نومبر 1788ء کو واپسی کا بحری سفر اختیار کیا۔ تقریباً نصف برس بحری سفر میں صرف کرنے کے بعد یہ وفد بالآخر 10 مئی 1789ء کو ہندوستان کی سرزمین پر آن پہنچا۔

یہ وفد ترکی بھیجے جانے والے سفارتی وفد کی واپسی سے نصف برس پیشتر واپس پہنچ چکا تھا اور 1789ء کے موسم سرما میں فرانس انقلاب سے دوچار ہوا لیکن اس انقلاب کی خبر میسور میں اسی برس موسم خزاں کے اختتام میں موصول ہوئی اور ٹیپو سلطان اب سمجھ چکا تھا کہ ہندوستان میں اس کی جدوجہد کو اب فرانسیسی حمایت حاصل نہ ہو سکے گی۔ سفارتی وفد جو سفارت کاری کے لئے پیرس روانہ ہوا تھا وہ کسی کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکا اور ٹیپو سلطان بھی اس وفد کی کارکردگی کی وجہ سے مایوسی کا شکار رہا۔ ٹیپو سلطان غیر ملکی طاقتوں کے ساتھ راہ و رسم بڑھاتے ہوئے ان سے فوجی امداد کا حصول چاہتا تھا۔ وہ اپنی اس تدبیر میں ناکام ہو چکا تھا۔ دوسری جانب انگریز بھی ٹیپو سلطان کی سفارتی سرگرمیوں سے بے خبر نہ تھے اور وہ ٹیپو سلطان کے ارادوں کو بخوبی بھانپ چکے تھے۔ فرانس کی جانب بھیجنے والے سفارتی وفد کی سفارت کاری کا جو مثبت نتیجہ سامنے آیا وہ یہ تھا کہ فرانسیسی کاریگروں اور مکینکوں کا ایک وفد بھی اس سفارتی وفد کے ہمراہ میسور پہنچا تھا۔ یہ کاریگر اور ہنرمند صنعت کاری کیلئے اہم گردانے جاتے تھے اور معیشت کو وسعت

عطا کرنے میں بھی اہم کردار ادا کرسکتے تھے اور ٹیپو سلطان ان مقاصد کے حصول میں دلچسپی رکھتا تھا۔

……

ٹیپو……اپنی رعایا کا باپ

ہمارے دور کی پیمائش کے مطابق ٹیپو سلطان قد وقامت کے لحاظ سے قدرے کوتاہ قد واقع ہوا تھا……اس کا قد تقریباً 170 سینٹی میٹر تھا……لیکن اس کا جسم ایک متناسب جسم تھا ماسوائے گردن جو قدرے چھوٹی تھی۔ اس کے شانے چوڑے تھے اور ہاتھ دبلے پتلے تھے۔ اس کی جلد کی رنگت صاف تھی اور دیگر مسلمانوں کی طرح اس کی داڑھی نہ تھی بلکہ وہ باریک مونچھوں کا حامل تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے وزن میں بھی قدرے اضافہ ہوا تھا لیکن اس کے باوجود وہ موٹاپے کا شکار نہیں کہا جاسکتا تھا۔

اس کو احکامات صادر کرنے کی تربیت فراہم کی گئی تھی اور اس کے علاوہ وہ اپنے اختیارات کو استعمال کرنے کی تربیت بھی فراہم کی گئی تھی۔ اگرچہ وہ قدرے گرم مزاج کا حامل تھا مگر اپنے معاونین کے ساتھ عام طور پر قدرے نرمی سے پیش آتا تھا۔

بطور ایک حکمران وہ روزانہ ایک لمبے دورانیے تک فعال رہتا تھا اور امور سلطنت نپٹاتا رہتا تھا۔ اس دور کے رواج کے مطابق وہ اپنے سرنگاپٹم کے محل کی بالکونی سے روزانہ صبح کے وقت اپنا دیدار کرواتا تھا۔ اس طرح وہ اس امر کا مظاہرہ کرتا تھا کہ وہ اپنے دارالحکومت میں موجود تھا……ٹھیک ٹھاک تھا……روبہ صحت تھا……اور اپنی ریاست پر حکمرانی سرانجام دے رہا تھا۔ سرنگاپٹم کے قلعے کے اندر ایک ریاستی محل تعمیر کیا گیا تھا جو حکمران خاندان کی رہائش گاہ کے طور پر استعمال ہونے کے علاوہ ایک سرکاری عمارت کے طور پر بھی استعمال ہوتا تھا۔ آج کل اس محل کی بنیادوں کے کچھ پتھر ہی دیکھے جاسکتے ہیں اور اس محل کی تصاویر بھی دستیاب نہیں ہیں۔

ٹیپو سلطان طلوع فجر سے پیشتر بیدار ہوتا تھا اور دیگر مسلمانوں کی طرح نماز فجر ادا کرتا تھا اور اس کے بعد اپنے فوجی کمانڈروں سے ملاقات کرتا تھا اور ان کی کارکردگی کی رپورٹیں حاصل کرتا تھا اور ضروری احکامات صادر کرتا تھا۔ وہ روزانہ اپنے نجومیوں کے ساتھ بھی ملاقات کرتا تھا اور اس دن کیلئے ان کی پیش گوئیاں اور مشورے سنتا تھا۔ اس دوران وہ اپنی شیو بھی بناتا رہتا تھا۔ وہ اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھیاں بھی پہنتا تھا جن میں گراں قدر پتھر لگے ہوتے تھے۔ ستاروں اور سیاروں کی صورت حال ٹیپو سلطان کیلئے انتہائی اہمیت کی حامل تھی۔ اہم فیصلے سرانجام دینے سے پیشتر نجومیوں کی رائے طلب کی جاتی تھی۔

شیو کرنے اور کپڑے وغیرہ زیب تن کرنے کے بعد ٹیپو سلطان ناشتے سے لطف اندوز ہوتا تھا۔ وہ عام طور پر اپنے کچھ صاحبزادوں کے ہمراہ ناشتہ کرتا تھا۔ اس کے ناشتے میں بادام……پھل……جیلی اور دودھ شامل ہوتا تھا۔ ناشتے کے دوران مستقبل کے منصوبوں کے بارے میں فیملی گفتگو سرانجام دی جاتی تھی اور اس کے علاوہ گذشتہ جنگوں کی یاد بھی تازہ کی جاتی تھی۔ اس دوران اہم خطوط بھی تحریر کروائے جاتے تھے۔ اس کے بعد ٹیپو سلطان اپنے دربار میں جلوہ گر ہوتا تھا جہاں پر سول اور فوجی افسر اس کے سامنے پیش ہوتے تھے اور پوسٹ ماسٹر جنرل ڈاک کا تھیلا پیش کرتا تھا

جس میں خطوط...... رپورٹیں اور درخواستیں وغیرہ شامل ہوتی تھیں۔ ڈاک پڑھ کر سنائی جاتی تھی اور ٹیپو سلطان اس کے جوابات تحریر کرواتا تھا۔

دوپہر کے کھانے اور نماز ظہر کیلئے وقفہ ہوتا تھا۔ اس کے بعد دفتری کام از سرنو شروع کیا جاتا تھا اور بعد از دوپہر تین بجے تک یہ کام کاج جاری رہتا تھا۔ اس کے بعد ٹیپو سلطان نماز عصر ادا کرتا تھا اور کچھ دیر کیلئے آرام کرتا تھا۔ پانچ بجے ٹیپو سلطان اپنے فوجی دستوں کا معائنہ سرانجام دیتا تھا۔ سورج غروب ہونے کے بعد وہ اپنے محل واپس لوٹ آتا تھا اور اس دن ظہور پذیر ہونے والے واقعات کی رپورٹیں سنتا تھا اور چند ایک مزید خطوط بھی تحریر کرواتا تھا۔ عام طور پر وہ اپنا رات کا کھانا اپنے تین بڑے صاحبزادوں کے ہمراہ تناول کرتا تھا۔ اس کھانے میں کچھ وزیر بھی شرکت کرتے تھے اور کھانے کے دوران حالات حاضرہ پر گفتگو کا دور چلتا رہتا تھا۔ اس کے علاوہ مذہبی موضوعات پر بھی بات چیت ہوتی رہتی تھی۔ اس وقت محل سینکڑوں موم بتیوں سے روشن ہوتا تھا۔

رات کے کھانے کے بعد ٹیپو سلطان اکیلا رہنا پسند کرتا تھا۔ اس دوران وہ کچھ وقت سوچ و بچار کے لئے مخصوص کرتا تھا اور اس کے بعد محو خواب ہو جاتا تھا۔ ٹیپو سلطان علم نجوم میں بھی دلچسپی رکھتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ خوابوں کو از حد اہمیت دیتا تھا۔ اس کی شہادت کے بعد اس کے محل سے اس کے خوابوں کی ڈائری بھی برآمد ہوئی تھی۔ اس ڈائری میں وہ لاتعداد خواب درج تھے جو اس نے دوران نیند دیکھتے تھے اور ان خوابوں کی تعبیر بھی درج تھی۔ یہ خواب اکثر سیاسی معانی کے حامل ہوتے تھے۔

ٹیپو سلطان کے لاتعداد خطوط محافظ خانے (دفتر جہاں سرکاری کاغذات رکھے جاتے ہیں) میں پڑے تھے اور سرنگاپٹم پر قبضے کے بعد اس محافظ خانے کو دریافت کیا گیا تھا اور اس میں سے 2,000 سے زائد خطوط برآمد ہوئے تھے۔ یہ خطوط فارسی زبان میں ہیں...... فارسی زبان درباری سرکاری زبان تھی۔ گورنر جنرل ولزلے کا ایک سیکرٹری کرنل ولیم کرک پیٹرک اس زبان سے واقفیت رکھتا تھا۔ لہٰذا اسے اس محافظ خانے کا نگران مقرر کیا گیا اور چند برس بعد منتخب خطوط کی اشاعت کا بندوبست بھی کیا گیا تھا...... ان کا انگریزی زبان میں ترجمہ کرتے ہوئے ان کو ضمن شائع کیا گیا تھا۔ یہ خطوط 1785-86ء کے دورانیے پر محیط تھے اور ٹیپو سلطان کی براہ راست تصویر پیش کرتے تھے اور اس کے اس طرز عمل کی بھی تصویر پیش کرتے تھے جو اس نے اپنی حکمرانی کے ابتدائی برسوں میں اپنا رکھا تھا۔

یہ خطوط چھوٹے اور بڑے معاملات کے ضمن میں ٹیپو سلطان کی فعال کارکردگی کا تاثر پیش کرتے ہیں۔ وہ اپنے معاونین کو ذمہ داریاں سونپنے کا قائل نہ تھا...... وہ ہر ایک معاملے کا انتظام و انصرام بذات خود سرانجام دینے کا قائل تھا اور تمام تر سرکاری معاملات میں مداخلت سرانجام دے سکتا تھا اور ہدایات جاری کر سکتا تھا۔ ٹیپو سلطان ایک ہی طرز عمل کا مظاہرہ کرتا تھا خواہ وہ اپنے جرنیلوں کو حکمت عملی اختیار کرنے کے بارے میں مشورہ دے رہا ہو یا کتے کے کاٹنے کے علاج کے بارے میں مشورہ دے رہا ہو یا کسی ملزم کی سزا کے بارے میں ہدایات جاری کر رہا ہو یا میدان جنگ سے گھر کیلئے خط تحریر کر رہا ہو جس میں اس کے صاحبزادے کی اسکول کی کتابوں کا ذکر ہو۔

ایک خط کی مثال

یہ خط ٹیپو سلطان نے 16 جون 1786ء کو جنرل برہان الدین کو تحریر کیا تھا (ٹیپو سلطان کا برادر نسبتی)۔ اس نے ایک قلعے

کا محاصرہ کر رکھا تھا اور وہ اس محاصرے کا ذمہ دار بھی تھا۔

''تمہارا وہ خط موصول ہو چکا ہے جس میں تم نے کپڑوں کی خریداری کیلئے درکار رقم کی درخواست کی تھی۔ تم جنگ کے لئے مخصوص خزانے میں سے 300 روپے کی رقم حاصل کر سکتے ہو اور اس کی رسید ہمیں ضرور بھجوا دینا۔

ایک ماہ پیشتر قلعے کے نزدیک توپیں نصب کی گئی تھیں۔ لیکن تم نے ابھی تک کوئی کارہائے نمایاں سرانجام نہیں دیا حالانکہ تم کافی عرصے سے اس مہم کو سر کرنے میں مصروف ہو۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ ابھی تک تم کامیابی سے ہمکنار کیوں نہ ہوئے۔ تمہیں چاہئے کہ تم قلعہ کی دیواروں پر توپوں کے گولے برساؤ اور جوں ہی کسی دیوار میں شگاف پڑے تو تم کامیابی کے ساتھ اپنی سپاہ کے ہمراہ قلعے میں داخل ہو جاؤ۔ اس مقصد کے حصول کی خاطر تمہیں مناسب جدوجہد سرانجام دینا ہوگی''۔

ترکی کی جانب سفارت کاروں کی روانگی کے وقت ٹیپو سلطان نے انہیں ان کی سفری تیاریاں کے ضمن میں جو خطوط تحریر کئے ان میں ہر قسم کی ہدایات موجود تھیں:

''تم کیوں اپنے ہمراہ 1500 موم بتیاں لے جانا چاہتے ہو تمہیں اس قدر تعداد میں موم بتیوں کی ضرورت درپیش نہ ہوگی! غلام علی خان کے پاؤں پر پھوڑا نکلا ہوا ہے۔ ہمارے پاس کافور کا درخت موجود ہے جو ملک کے اس حصے میں نشوونما پاتا ہے ...... اس کے تیل کی دو بوتلیں ارسال کی جا رہی ہیں ...... اس کے ساتھ غلام علی خان کے پاؤں کا مساج سرانجام دیا جائے اور اس تیل کو وہ سوپ میں ڈال بھی پی سکتا ہے۔

تمہارے ہاتھی مست ہو رہے ہیں۔ ان پر چابک برسا کر انہیں درست کرو اور اگر کوئی ہاتھی مستی نہیں چھوڑتا تو اسے علیحدہ سوار کرو!''

ٹیپو سلطان نے سفارت کاروں کی روانگی سے قبل کئی خطوط کے جواب نہیں دیے تھے۔ یہ امر ایک ضلعی افسر کو لکھے گئے 2 ستمبر 1785ء کے خط سے عیاں ہے ...... تربت علی خان ...... صاف ظاہر ہے جس نے یہ شکوہ کیا تھا کہ اس کے خطوط کے جواب ارسال نہیں کئے گئے تھے:

''تم نے یہ شکوہ کیا ہے کہ ہم نے تمہارے خطوط کے بروقت جوابات ارسال نہیں کئے ہیں۔ وہ عظیم شخص تربت خان ...... دن میں دو تین مرتبہ کھانا کھاتا ہے ...... آرام اور سکون سے رہتا ہے اور گپ شپ سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ دوسری جانب ہم صبح تا شام مختلف امور نپٹانے میں مصروف رہتے ہیں۔ جب ہمیں فرصت میسر آئے گی ...... ہم تمہارے خطوط کے جواب ارسال کر دیں گے''۔

◆

لائبریری

اپنے باپ کے برعکس ٹیپو سلطان تعلیم یافتہ تھا اور فارسی کے علاوہ وہ مقامی زبانوں پر بھی عبور رکھتا تھا اور انگریزی اور فرانسیسی زبان پر بھی کسی قدر عبور رکھتا تھا۔ ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد اس کے محل سے اس کی لائبریری بھی دریافت ہوئی تھی۔ اس لائبریری میں 2,000 کتب دستیاب تھیں۔ شاید یہ اپنے دور کی ہندوستان کی سب سے بڑی لائبریری تھی۔

کتب کو ذخیرہ کرنے کا کام ٹیپو سلطان کی ہدایت پر 1770ء میں شروع کیا گیا تھا۔ ایک لائبریرین بھی بھرتی کیا گیا تھا اس کے علاوہ ایک مترجم بھی بھرتی کیا گیا تھا جس کی ذمہ داریوں میں یورپ کے نمایاں تحقیقی کاموں کا ترجمہ کرنا بھی شامل تھا۔

اس لائبریری کا ایک حصہ مسلمانوں کی مذہبی کتب کے لئے مخصوص تھا۔ اس کے علاوہ شاعری کی کتب بھی موجود تھیں۔ مزید برآں فلسفہ ...... سائنس ...... فزکس ...... کیمسٹری ...... علم نجوم ...... علم طب کے موضوعات کے علاوہ کچھ ناول بھی اس لائبریری میں موجود تھے۔ ٹیپو سلطان مطالعہ کرنے کا شوقین تھا۔ اس کے بارے میں یہ کہا جاتا تھا کہ وہ سونے سے قبل مطالعہ کرنے کا عادی تھا بالخصوص ان دنوں میں جبکہ وہ سرنگاپٹم میں اپنے گھر میں مقیم ہو۔ کچھ ذرائع کے مطابق کھانے کے اوقات کار کے دوران محل میں باآواز بلند مطالعہ سرانجام دیا جاتا تھا۔ اس بارے میں وثوق کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ اس لائبریری کی کتنی کتب کا مطالعہ ٹیپو سلطان نے کیا تھا اور کس قدر علم کو اپنے اندر جذب کیا تھا لیکن اس کے کچھ افکار انہی کتب کے مرہون منت تھے۔

* * *

ٹیپو سلطان...... سماجی مصلح

ٹیپو سلطان کی جانب سے جاری کردہ لاتعداد احکامات محفوظ ہیں۔ یہ احکامات یہ تاثر پیش کرتے ہیں کہ ٹیپو سلطان ایک سماجی مصلح بھی تھا۔ ان میں سے ایک حکم میں وہ بیان کرتا ہے کہ:

> ”جو شخص اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کا بندوبست نہیں کرتا وہ ایک باپ اور شہری دونوں حیثیتوں میں ایک ناکام شخص ہے“۔

وہ اس نکتہ نظر کا حامل تھا کہ ملک بھر میں اسکول اور تعلیمی ادارے قائم کیے جائیں اور اگر ممکن ہو تو ان کے ساتھ لائبریریاں بھی قائم کی جائیں۔ اس بارے میں وثوق کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کے ان منصوبوں پر کس حد تک عمل درآمد کو ممکن بنایا گیا تھا۔ ٹیپو سلطان محض 17 برس تک اقتدار میں رہا تھا...... بڑے بڑے منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے اس دور میں یہ مدت ایک ناکافی مدت تھی جبکہ بڑے بڑے وسائل کا رخ اسلحہ سازی اور جنگوں کی جانب موڑ دیا جاتا تھا۔ اس نے اپنے دور حکومت کے دوران جو کچھ بھی سرانجام دیا...... جو کامیابیاں حاصل کیں...... وہ ہر لحاظ سے گراں قدر تھیں۔ اکثر مواقع پر ٹیپو سلطان غداروں اور دیگر مجرموں کے ضمن میں نرم رویہ اختیار کرتا تھا۔ اس کے اس طرز عمل کی وجہ سے اس کے معاونین اسے تنقید کا نشانہ بناتے تھے۔ اس کے پاس لامحدود اختیارات تھے اور وہ کسی بھی فرد کا سر قلم کرواسکتا تھا۔ لیکن وہ اپنے اختیارات سے

ناجائز فائدہ نہ اٹھاتا تھا۔ اس نے دور دراز کے علاقوں کی عدالتوں کے لئے خصوصی طریقہ کار تجویز کیا تھا۔ گواہوں پر سوال جواب کئے جاتے تھے۔ ملزمان کو اس وقت تک بے گناہ تصور کیا جاتا تھا جب تک ان کا جرم ثابت نہ ہو جائے۔ اس نے ایک خصوصی مشن کا تقرر بھی کیا تھا جس کے ذمے قوانین تحقیق کرنے کا کام تھا۔

1786ء کے ایک سرکاری اعلان میں یہ وضاحت کی گئی تھی کہ:

> ''سزا کے حق دار کسی بھی شخص کو قانون کے مطابق سزا دی جائے گی۔ ہماری رعایا کو قانون کا علم ہونا چاہئے۔ اس کے علاوہ انہیں اپنے حقوق و فرائض اور ذمہ داریوں کا بھی علم ہونا چاہئے۔ لہٰذا ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ قانون کی تدوین کا کام سرانجام دیا جائے......''۔

اور اسی برس ایک اور سرکاری اعلان میں کہا گیا کہ:

> ''ایک فاتح فوج کے لوٹ مار کے عمل سے چند افراد تو امیر ہو سکتے ہیں لیکن ان کے اس طرزِ عمل کی بدولت پوری قوم کی بدنامی ہوتی ہے اور پوری فوج بھی بدنامی کی بھینٹ چڑھتی ہے۔ جنگوں کو محض محاذ جنگ تک ہی محدود رہنا چاہئے اور ان کا دائرہ کار معصوم شہروں تک وسیع نہیں کرنا چاہئے......ان کی خواتین کا عزت و احترام کرنا چاہئے......ان کے مذہب کا احترام کرنا چاہئے اور ان کے بوڑھوں اور بچوں کا بھی احترام کرنا چاہئے۔

کچھ دیگر سرکاری اعلانات کچھ اس نوعیت کے حامل ہیں کہ:

☆ ایک مزارع یا کسان کو اس کی زمین سے بے دخل نہیں کیا جا سکتا بشرطیکہ وہ اس زمین کا کرایہ ادا کرتا ہو۔

☆ زمین کو لازمی طور پر زیر کاشت لانا چاہئے۔ اگر زمین کو زیر کاشت نہ لایا جائے گا تب اس زمین کا مالک اس زمین کے مالکانہ حقوق سے محروم تصور کیا جائے گا۔

☆ زیر کاشت لائی جانے والی نئی زمین کا مزارع پہلے تین برس تک زمین کے کرایے کی ادائگی سے مستثنیٰ قرار دیا جائے گا۔

☆ خشک سالی کی صورت میں یا ایسی صورت میں جب زمین پر کاشت کاری سرانجام نہ دی گئی ہو......ایسی صورت میں نصف مالیہ معاف کر دیا جائے گا یا مکمل مالیہ معاف کر دیا جائے گا۔

☆ زمین کی پیداوار بڑھانا اور مزارعین کی فلاح و بہبود ہمارا اولین مقصد ہونا چاہئے

''تمام تعریف اللہ کے لئے جس نے کچھ لوگوں کو اقتدار بخشا......اہل اقتدار کا فرض ہے کہ وہ ناتوان اور کمزور......غریب غرباء......محتاج اور مفلس......اور مجبور و لاچار لوگوں کی خبر گیری کرے اور لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے سرگرم عمل رہے۔''

''دولت مند افراد کا یہ فرض ہے کہ وہ غریب غرباء کی خبر گیری کریں......ان کی امداد سرانجام دیں۔ ایک ریاست کے زیر اہتمام غریب غرباء کو بھی وہی مواقع میسر آنے چاہئیں جو مواقع امراء کو میسر آتے ہیں۔''

الکحل کے بارے میں بھی ٹیپو سلطان اپنے دور سے بہت آگے تھا۔ 1787ء میں محکمہ مال کے قوانین میں یہ وضاحت کی گئی کہ:

> ''ہماری رعایا کی سماجی...... معاشی اور اخلاق بہتری کے لئے شراب کشید کرنے اور فروخت کرنے پر مکمل پابندی عائد ہوگی۔ محدود مقدار میں شراب محض غیر ملکیوں کے ہاتھ فروخت کی جاسکے گی''۔

شراب پر پابندی کی بدولت جب محکمہ مال کے وزیر نے آمدنی میں کمی کے خلاف احتجاج کیا تو ٹیپو سلطان نے اسے درج ذیل جواب تحریر کیا کہ:

> ''یہ ایک ایسا معاملہ ہے جسے ہم مالی نکتہ نظر کے تناظر میں نہیں دیکھ سکتے۔ شراب پر مکمل پابندی میرے دل کی آواز ہے۔ یہ محض مذہبی مسئلہ ہی نہیں ہے بلکہ ہمیں اپنی رعایا کی معاشی فلاح و بہبود اور اخلاقی بلندی کو بھی مدنظر رکھنا چاہئے اور اپنے نوجوانوں کے اخلاق کو بہتر بنانے کی جانب اپنی توجہ مرکوز کرنی چاہئے۔ مالی نقصان کے ضمن میں آپ نے جو سوال اٹھایا ہے اس ضمن میں آپ کے جذبات کی میں تہ دل سے قدر کرتا ہوں۔ کیا ہمیں دور اندیشی سے کام نہیں لینا چاہئے؟ کیا ہماری آمدنی ہماری رعایا کی صحت اور اخلاق سے زیادہ اہم ہے؟......''

مالابار کے علاقے میں ایسے قبائل بھی آباد تھے جن میں یہ رواج عام تھا کہ وراثت کی حقدار خواتین ہوتی تھیں اور بزرگ خاتون کنبے کی سربراہ ہوتی تھی۔ ان قبائل میں خواتین ایک سے زائد شادیاں کرتی تھیں...... ایک خاتون کے کئی ایک خاوند ہوتے تھے...... کبھی کبھار ایک خاتون کے خاوندوں کی تعداد 12 تا 15 بھی ہوتی تھی۔ خاوند باری باری اس خاتون کے ساتھ ہمبستری کرتے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ بچوں کو معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ ان کا باپ کون تھا۔ ٹیپو سلطان کو یہ طرز عمل ایک آنکھ نہ بھاتا تھا اور اس نے اس طرز عمل کو روکنے کی کوشش۔ لیکن وہ اپنی اس کوشش میں کامیابی سے ہمکنار نہ ہوسکا کیونکہ برس ہا برس سے رائج کسی رواج کو ختم کرنا آسان نہ تھا اور اسے سرنگا پٹم سے ایک حکم نامہ جاری کر کے ختم کرنا ممکن نہ تھا۔

کچھ قبائل میں یہ رواج بھی عام تھا کہ ان کی خواتین جسم کا بالائی حصہ کپڑوں سے بے نیاز رکھتی تھیں۔

اس سلسلے میں ٹیپو سلطان نے اپنے ایک خط کے ذریعے ضلعی اہلکاروں کو اپنے نکتہ نظر سے آگاہ کرتے ہوئے تحریر کیا کہ:

> ''میں نے مالابار میں کچھ خواتین کو ایسی حالت میں جاتے ہوئے دیکھا کہ ان کے سینے کپڑوں سے بے نیاز تھے۔ انہوں نے اپنے سینے کپڑوں میں چھپا نہیں رکھے تھے۔ مجھے ان کے اس طرز عمل کی بدولت از حد دکھ پہنچا ہے۔
>
> آپ نے وضاحت کی تھی کہ یہ خواتین ایک ایسے قبیلے سے تعلق رکھتی تھیں جس میں یہ رواج عام ہے کہ اس قبیلے کی خواتین اپنی کمر سے اوپر کا حصہ نہیں ڈھانپتیں۔ لیکن میں ہنوز حیران ہوں کہ ایسا کیوں ہے؟ کیا واقعی یہ ایک رواج ہے یا قبیلے کی غربت کا سوال ہے؟ اگر اس قبیلے کی خواتین اپنی غربت کی وجہ سے اس طرز عمل کا مظاہرہ کرتی ہیں تو میں ان کی غربت دور کرنے کے لئے ہر ممکن اقدام سرانجام دینے کو تیار ہوں تاکہ اس قبیلے کی خواتین وہ لباس زیب تن کرسکیں جوان کی

مناسب ستر پوشی کرتا ہو اور اگر یہ اس قبیلے کا رواج ہے تب میں یہ چاہوں گا کہ آپ اپنے اثر ورسوخ استعمال کرتے ہوئے اس قبیلے کو اس رواج سے دست بردار کرنے کی کوشش کریں۔ اس سلسلے میں اس قبیلے کے مذہبی رہنماؤں کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے انہیں قائل کریں کہ وہ اپنے قبیلے کو اس رواج سے دست بردار ہونے پر آمادہ کریں۔ میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ آپ دوستانہ ماحول میں ان کے مذہبی رہنماؤں سے بات چیت کریں اور ان کے مذہب کو برا بھلا کہنے سے گریز کریں……’’

غالباً ٹیپو سلطان یہ نہیں جانتا تھا کہ اس قبیلے میں خواتین کا اپنا سینہ ڈھانپنا ایک ناشائستہ اور نامعقول فعل تصور کیا جاتا تھا جبکہ دیگر لوگ خواتین کے سینہ نہ ڈھانپنے کے عمل کو ایک ناشائستہ اور نامعقول عمل تصور کرتے ہیں۔ ٹیپو سلطان اس رواج کو ختم کرنے میں بھی ناکام رہا۔

……

غلاموں سے مشقت لینے کی ممانعت

1789ء کونسل آف منسٹرز کے سامنے کی گئی تقریر سے ایک اقتباس:

’’فرعونوں نے اپنے غلاموں سے مشقت لیتے ہوئے اہرام مصر تعمیر کروائے۔ چین کی عظیم دیوار چین کی بنیادوں میں بھی ان عورتوں اور مردوں کا خون دوڑ رہا ہے جنہیں زبردستی اس تعمیراتی کام پر لگایا گیا۔

میرے نزدیک فن اور فن تعمیر کا ہر ایک بڑا کام…… خواہ یہ ہندوستان کے مشرق یا مغرب میں سرانجام دیا گیا ہو …… ان لوگوں کی یادگار نہیں ہے جنہوں نے اسے تعمیر کروایا تھا بلکہ ان بدقسمت افراد کی یادگار ہے جنہوں نے اس کی تعمیر کی خاطر اپنا خون پسینہ ایک کیا اور موت کو گلے لگایا……

میں آپ کے سامنے اس قسم کی باتیں اس لئے کر رہا ہوں کہ مجھے مالابار کے گورنر کا ایک خط موصول ہوا تھا کہ اس کے علاقے میں بہترین کاریگر موجود ہیں اور اس نے ان کاریگروں کو کسی معاوضے کی ادائیگی کے بنا ہی سرکاری عمارات کی تعمیر پر لگا رکھا ہے۔ چونکہ وہ میرے اس منصوبے سے آگاہ تھا جس کے تحت میں اپنے محل کو وسعت دینے کا ارادہ رکھتا تھا۔ لہٰذا اس نے مجھے بھی یہ پیش کش کی ہے کہ وہ ان کاریگروں کو میرے محل کی مجوزہ وسعت کیلئے روانہ کر دے گا تاکہ وہ اس منصوبے کی تکمیل کے لئے بھی بلا معاوضہ خدمات سرانجام دے سکیں۔ میں اپنے محل کی تعمیر کے لئے جبری مشقت ہرگز برداشت نہیں کروں گا۔ میں اس گورنر کو یہ ہدایت بھی کرتا ہوں کہ وہ ان لوگوں سے لی گئی مشقت کی فوراً ادائیگی کا بندوبست کرے اور ان لوگوں نے سرکاری عمارت کی تعمیر کے ضمن میں ماضی میں بھی جو خدمات سرانجام دی ہیں ان کو ان کا معقول معاوضہ فی الفور ادا کرے اور آج کے بعد میری سلطنت میں کسی بھی شخص سے جبری مشقت نہ لی جائے‘‘۔

……

ٹیپو......ایک رحم دل سلطان

ٹیپو سلطان جس طریقہ کار کے تحت جنگی قیدیوں اور زخمیوں کے ساتھ روبہ عمل ہوتا تھا وہ طریقہ کار اس دور کے لحاظ سے ایک غیر معمولی نوعیت کا حامل طریقہ کار تھا اور اس کے بارے میں کئی ایک داستانیں بھی موجود ہیں۔ اس کی ایک مثال پیش خدمت ہے:

> ”1780ء میں مرہٹوں کے ساتھ ایک جنگ کے دوران ٹیپو سلطان کی سپاہ نے ایک معرکہ آرائی میں مرہٹوں کے سامان حرب کے ساتھ ان کی 80 خواتین پر بھی قبضہ جما لیا تھا۔ ان خواتین کا تعلق مرہٹہ جرنیلوں کے حرموں سے تھا۔ جن سپاہ نے یہ کارنامہ سرانجام دیا تھا اس کو دو ماہ کی فاضل تنخواہ بطور انعام دی گئی تھی۔
>
> ان خواتین سے یہ وعدہ لیا گیا تھا کہ وہ اپنے خاوندوں کو اس امر پر آمادہ کریں گی کہ وہ ٹیپو سلطان کے ساتھ معرکہ آرائی کی بجائے امن قائم کرنے کو ترجیح دیں۔ یہ وعدہ لینے کے بعد ان خواتین کو آزاد کر دیا گیا تھا۔
>
> مرہٹوں نے یہ مشہور کر دیا تھا کہ مسلمانوں نے ان کی خواتین کی بے حرمتی کی تھی۔ لہٰذا انہوں نے ان خواتین کو علیحدہ جگہ پر رکھا اور ان کے خاوندوں نے ان کے ساتھ اپنے روابط منقطع کر لئے۔ ان خواتین نے اپنے ساتھ روا رکھے جانے والے اس سلوک کو گوارا نہ کیا اور اپنے مردوں کی پست ذہنیت کے خلاف سخت احتجاجی رویہ اختیار کیا۔ ان خواتین نے ٹیپو سلطان کے بہترین اور شریفانہ رویے کی ازحد تعریف و توصیف کی اور اپنے خاوندوں پر زور دیا کہ وہ بیہودہ باتوں سے باز رہیں اور ٹیپو سلطان کے ساتھ امن کی گفت و شنید کا آغاز کریں۔ بالآخر وہ اپنے خاوندوں کو قائل کرنے میں کامیاب ہو گئیں اور چند ماہ کے بعد امن و امان قائم ہو گیا“۔

ایک اور موقع پر جبکہ ٹیپو سلطان کے فوجی دستوں نے ایک قلعہ فتح کیا اور قلعے کے تمام تر محصورین کو فی الفور آزاد کر دیا گیا کیونکہ جس روز قلعہ فتح ہوا تھا اسی روز ایک نامور مسلمان درویش کا یوم پیدائش بھی تھا اور اسی خوشی میں تمام تر جنگی قیدیوں کو فی الفور رہا کر دیا گیا۔ اس بہترین سلوک کے مظاہرے پر فرنگی فوج کا ایک نوجوان افسر ازحد خوش ہوا اور اس نے اظہار تشکر کے طور پر ٹیپو سلطان کو ایک زمرد تحفے کے طور پیش کیا جو اس وقت اس کے پاس موجود تھا۔ ٹیپو سلطان نے اس نوجوان فرنگی فوجی افسر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ:

> ”تحفے کے جواب میں جوابی تحفہ دینا بھی ضروری ہوتا ہے“۔

اس کے ساتھ ہی ٹیپو سلطان نے اس نوجوان فرنگی افسر کو ایک تھیلی تھما دی جس میں قیمتی پتھر موجود تھے اور اس کے علاوہ ایک سو سونے کی اشرفیاں بھی انعام کے طور پر اس کے حوالے کیں۔ اس کے بعد ٹیپو سلطان نے اس فرنگی افسر سے پوچھا کہ کیا وہ ٹیپو سلطان کی فوج میں خدمات سرانجام دینا پسند کرے گا۔ اس فرنگی افسر نے جواب دیا کہ وہ اپنے ملک کے ساتھ غداری نہیں کر سکتا۔ ٹیپو سلطان اس کے اس جواب سے ازحد خوش ہوا اور اپنی انگلی سے ایک قیمتی انگوٹھی اتارتے ہوئے اس کے حوالے کر دی یہ اس نوجوان فرنگی افسر کے لئے ایک اور تحفہ تھا۔

ایک اور موقع پر ایک انگریز لیفٹیننٹ کی بیوی کو جب یہ اطلاع موصول ہوئی کہ اس کا خاوند ٹیپو سلطان کے ساتھ ایک معرکے کے بعد گم ہو چکا تھا۔ یہ وہ معرکہ تھا جس میں بہت سے افراد ہلاک یا زخمی ہوئے تھے تب اس نے ٹیپو سلطان کو ایک خط تحریر کیا اور آنسو بہاتے ہوئے اس سے یہ دریافت کیا کہ اسے بتایا جائے کہ وہ ایک بیوی تھی یا ایک بیوہ تھی اور اگر وہ ہنوز ایک بیوی تھی تب اس کے خاوند کو یہ بتایا جائے کہ وہ ہنوز اس کی وفادار تھی اور ان کے چار سالہ بیٹے کے نیک جذبات بھی اس کے خاوند تک پہنچائے جائیں۔ ٹیپو سلطان نے فوراً اس انگریز لیفٹیننٹ کو رہا کر دیا اور اسے تحفے میں ایک ایسا نیکلس بھی پیش کیا جس میں تین قیمتی موتی جڑے ہوئے تھے اور کہا کہ:

''آنسو کے ہر ایک قطرے کے لئے ایک موتی جو اس عورت نے اپنے خاوند کی قسمت پر بہایا تھا''۔

اس کے علاوہ اس نے ان کے چار سالہ بیٹے کے لئے ہندوستانی کھلونوں کا ایک سیٹ بھی بطور تحفہ دیا۔ جب اس انگریز فوجی افسر کی بیوی کو یہ معلوم ہوا کہ اس کا خاوند نہ صرف رہا کر دیا گیا تھا بلکہ اسے گراں قدر تحائف سے بھی نوازا گیا تھا تب اس نے ٹیپو سلطان کو ایک خط تحریر کیا جس میں اس کی اس نوازش کا شکریہ ادا کیا گیا تھا اور اس امید کا اظہار بھی کیا گیا تھا کہ اس خاتون کو کسی نہ کسی روز یہ موقع ضرور میسر آئے گا کہ وہ ٹیپو سلطان کے ہاتھ چوم سکے گی۔ اس کے علاوہ اس نے ٹیپو سلطان سے یہ درخواست بھی کی تھی کہ وہ اسے اپنی ایک تصویر (پورٹریٹ) ارسال کرے اور وہ اس تصویر کو اپنے گھر کی زینت بنائے گی اور یہ تصویر اسے ٹیپو سلطان کی رحم دلی کی یاد دلاتی رہے گی۔

اب ٹیپو سلطان نے اس خاتون کو اپنا پورٹریٹ (تصویر) ارسال کیا جو سونے کے فریم سے مزین تھا۔ جب یہ تحفہ فرنگی کیمپ میں پہنچا اس وقت تک وہ لیفٹیننٹ انگلستان کے لئے روانہ ہو چکا تھا اور مدراس کے ہیڈ کوارٹر نے ایک انگریز خاتون اور ایک ہندوستانی سلطان کے درمیان خط و کتابت کو ایک غیر مناسب فعل قرار دیا۔ لہٰذا سونے کا فریم بحق سرکار ضبط کر لیا گیا لیکن ٹیپو سلطان کے پورٹریٹ کو انگلستان روانہ کر دیا گیا جہاں پر یقیناً وہ اس انگریز لیفٹیننٹ کے گھر کی دیوار کی زینت بنا ہوگا۔

انتظامی اصلاحات

1700ء کے عشرے میں ہندوستان میں سماجی ڈھانچہ خالصتاً جاگیردارنہ نوعیت کا حامل تھا۔ لہٰذا مرکزی طاقت کمزوری کا شکار تھی اور اسے مقامی ''ٹھیکیداروں''...... مقامی چھوٹے شہزادوں...... اور جاگیرداروں پر انحصار کرنا پڑتا تھا جن کا کام ریونیو اکٹھا کرنا اور اپنی چھوٹی چھوٹی ''حکمرانیوں'' میں انصاف قائم کرنا تھا۔ ان جاگیردار نوابوں کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ حکمران کو ریونیو اکٹھا کر کے دیں یعنی شاہی خزانے میں جمع کرائیں۔ ٹیپو سلطان نے ایسا انتظامی نظام متعارف کروایا تھا جس کے تحت اس نے مقامی جاگیرداروں کی جگہ خصوصی تربیت یافتہ افسران کا تقرر کیا۔ ان افسران کا تقرر ایک مخصوص مدت تک کیلئے کیا جاتا تھا اور یہ مرکزی طاقت کو جواب دہ ہوتے تھے اس نظام کا آغاز حیدر علی کے دور میں ہی ہو چکا تھا۔ ہر ایک ضلع کے دو عدد ضلعی کلکٹر مقرر کیے گئے تھے۔ ایک فوجی مقاصد کی سرانجام دینے کیلئے اور دوسرا سویلین مقاصد کی سرانجام دینے کے لئے...... سویلین مقاصد کیلئے مقرر کردہ کلکٹر کی ذمہ داری تھی کہ وہ زمین کا لگان وصول کرے...... اور یہی ریاست کی آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ تھا۔ ٹیکس میں مختلف اقسام کی تخفیف کو بھی متعارف کروایا گیا تھا تاکہ یہ عمل در آمدنی زمینوں کو زیر کاشت لانے میں معاون ثابت ہو سکے یا ان کاشتکاروں کو ان فصلوں کی کاشت کی جانب راغب کرنے کا باعث بن سکے جن فصلوں کی کاشت کو ٹیپو سلطان ترجیح دیتا تھا...... مثال کے طور پر ''گنے'' کی فصل وغیرہ وغیرہ ٹیپو سلطان ضلعی افسران کی کارکردگی پر نظر رکھتا تھا تاکہ یہ یقین دہانی حاصل کر سکے کہ وہ اس کی ہدایات پر اپنے عمل در آمد کو ممکن بنا رہے ہیں۔ درج ذیل میں ایک خط کا ایک اقتباس پیش کیا جا رہا ہے جو ٹیپو سلطان کی جانب سے ایک ضلعی افسر کو تحریر کیا گیا تھا:

> ہمیں یہ خبر موصول ہوئی کہ آپ مستقل طور پر اپنے گھر میں ہی پڑے رہتے ہیں اور کچہری (دفتر) جانا پسند نہیں کرتے۔ آپ کا یہ عمل طرز عمل بہتر نہیں ہے۔ تمہیں اپنے دن کا زیادہ تر حصہ کچہری (دفتر) میں گزارنا چاہئے اور سرکار (ریاست) کے امور کی سرانجام دینے کو ممکن بنانا چاہیے اور لوگوں کو یہ زحمت نہیں دینی چاہیے کہ وہ اپنے کام کاج کے سلسلے میں آپ کے گھر کے چکر لگائیں......''

ٹیپو سلطان لگاتار اس کوشش میں مصروف رہتا تھا کہ اپنی انتظامیہ کو بہتر سے بہتر خطوط پر استوار کرے۔ اس نے پہلے اپنی ریاستوں کو سات صوبوں میں تقسیم کیا۔ مابعد اس نے ان صوبوں کی تعداد کو بڑھا کر نو عدد کر دی...... اس کے بعد اس نے یہ تعداد بڑھا کر 17 کر دی اور بالآخر سرنگاپٹم کے امن کے بعد...... جب وہ اپنی آدھی سلطنت سے ہاتھ دھو چکا تھا...... اس نے اس تعداد کو بڑھا کر 37 کریا۔ ٹیپو سلطان اصلاحات کے عمل کو جاری وساری رکھنے کا خواہاں تھے۔ ان اصلاحات کے نتیجے میں جو سماجی گروپ قرار واقعی نقصان سے دوچار ہوا وہ سابق لینڈ لارڈوں (جاگیرداروں اور زمینداروں) کا گروپ تھا۔ اب ان کو حاصل کئی ایک مراعات ان سے چھن چکی تھیں۔ ان اصلاحت سے مستفید ہونے والے اور استفادہ حاصل کرنے والے لوگ ''کسان'' تھے۔ اب ان کے حقوق محفوظ ہو چکے تھے...... ان کے حقوق کو تحفظ حاصل ہو چکا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ جن لوگوں کی مراعات چھن چکی تھیں وہ ٹیپو سلطان کی مخالفت پر کمربستہ تھے اور انگریزوں کے ساتھ ساز باز کرنے میں مصروف تھے جنہوں نے ان

کے ساتھ یہ وعدہ کر رکھا تھا کہ اگر وہ برسر اقتدار آ گئے تو ان لوگوں کو ان کی مراعات واپس مل جائیں گی۔

ضلعی افسران کیلئے وضع کردہ ٹیپو سلطان کی کتاب ہنوز محفوظ ہے۔ یہ کتاب 137 پیراگراف پر مشتمل ہے۔ اگر ان تمام قوانین پر عمل درآمد کو ممکن بنایا جاتا تو ملک کا نظام بخوبی اور بہتر طور پر چلانا ممکن تھا:

> ''استحصال..... خواہ یہ سرکاری اہلکاروں کی جانب سے کیا جائے یا کسی اور کی جانب سے کیا جائے قابل مواخذہ اور قابل سزا ٹھہرے گا''
>
> ''اچھی اور بہتر کاشتکاری کی درجنوں طریقوں کے تحت حوصلہ افزائی کی جائے گی..... ضرورت مند کسانوں کو نقد رقوم بطور قرض دی جائے گی تا کہ وہ بیل وغیرہ خرید سکیں اور ان کسانوں کو بھی نقد رقوم بطور قرض دی جائیں گی جو غیر آباد زمین کو آباد کریں گے۔ گراں قدر درخت مثلاً آم کے درخت اگانے کی حوصلہ افزائی کی جائے گی..... ہر ایک دیہات میں آم کے کم از کم دو صد درخت لگائے جائیں اور باداموں کے درختوں کی حفاظت کی جائے۔
>
> وہ لوگ جو اپنے گھروں کے پچھلے حصوں میں ''بھنگ'' کی کاشت کرتے ہیں ان کو جرمانہ کیا جائے گا۔ اندھوں اور لنگڑوں کے لئے بھی روزگار کے مواقع فراہم کیے جائیں گے''۔
>
> ہماری ریاست میں غلاموں اور طوائفوں کا کوئی وجود نہ ہوگا۔

منتظمین کے کام کاج کے اوقات کار کو بھی منظم بنایا گیا تھا..... ان کا صبح نو بجے سے لے کر شام پانچ بجے تک دفاتر میں حاضر رہنا ضروری تھا لیکن اس کے بعد دوبارہ آٹھ بجے شب ان کا دفتر میں حاضر رہنا ضروری تھا اور ان کی یہ حاضری مزید تین گھنٹوں پر مشتمل تھی تا کہ دن بھر کے کام کاج اور حساب کتاب کو سمیٹ سکیں۔ ٹیپو سلطان نے ایک ایسی انتظامیہ تشکیل دی تھی جو 18 مختلف محکموں پر مشتمل تھی اور یہ انتظامیہ ہماری آج کے دور کی انتظامیہ سے ملتی جلتی تھی۔ وہ ان محکموں کے سربراہوں سے روزانہ ملاقات کرتا تھا اور ان کے ساتھ باہمی صلاح مشورے کرتا تھا۔ صاف ظاہر ہے کہ ٹیپو سلطان اکثر حقائق کو چیلنج کرتا تھا۔ وہ اصلاحات نافذ کرنے اور قوانین تخلیق کرنے میں از حد دلچسپی رکھتا تھا۔ آج کے دور کی طرح اس دور میں بھی بدعنوانی پر قابو پانا ایک مشکل امر تھا۔ لیکن ٹیپو سلطان نے اس میدان میں قابل قدر کامیابی حاصل کی اور اس کے سرانجام دیے گئے کام اور اس کی خواہشات متاثر کن ہیں بالخصوص ایسی صورت میں جبکہ اس امر کو ذہن میں رکھا جائے کہ یہ سب 200 برس پیشتر منظر عام پر آیا تھا۔

* * *

صنعت وتجارت

ایسا دکھائی دیتا ہے جیسے ٹیپو سلطان اپنے دور میں معیشت کے بارے میں ایک غیر معمولی اور جدید نظریے یا نکتہ نظر کا حامل تھا۔ وہ اس امر سے بخوبی واقف تھا کہ ملک کی خوشحالی کا انحصار عوام کی خوشحالی پر تھا اور خوشحالی اور دولت کے حصول کے لئے صنعت اور تجارت اہم ترین عناصر تھے۔ ٹیپو سلطان اس نکتہ نظر کا حامل تھا کہ ایک حکمران کا مقصد اپنے عوام کو ٹیکسوں کے بوجھ تلے دبانا نہیں ہوتا بلکہ پیداواری صلاحیت اور تجارت کو بڑھانا

ہوتا ہے تا کہ عوام کے ہر فرد کو فائدہ پہنچے۔ لہٰذا ٹیپو سلطان نے صنعت اور تجارت کو ترقی دینے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ 1785ء میں اس نے ایک درآمد کنندہ کو ایک خط تحریر کیا تھا جو کچھ اس نوعیت کا حامل تھا کہ:

> ’’آپ کی یہاں آمد پر آپ کو وہ تحفظ حاصل ہوگا جس تحفظ کے حصول کے آپ متمنی ہیں۔ ہم آپ کو ایک تجارتی مرکز فراہم کریں گے اور ہم آپ کو کسی قدر قرض بھی جاری کر سکتے ہیں تا کہ آپ کے ہاتھ میں بنیادی سرمایہ موجود ہو تا کہ آپ منافع بخش کاروبار سرانجام دے سکیں۔ آپ کا منافع پہلے دو برسوں کے دوران ٹیکس سے مستثنیٰ قرار پائے گا‘‘۔

چونکہ ٹیپو سلطان تجارت کی اہمیت سے بخوبی آگاہ تھا لہٰذا اس نے مختلف بندرگاہوں پر تجارتی مراکز قائم کیے۔ یہ تجارتی مراکز بحیرہ عرب کے اردگرد واقع اہم تجارتی شہروں میں قائم کیے گئے تھے۔ مقسط ایک اہم ترین تجارتی مرکز تھا۔ ٹیپو سلطان کی شہادت کے وقت جدہ اور بصرہ کے ساتھ تجارتی روابط استوار کرنے کا کام جاری تھا۔ مشرق کے ساتھ بھی روابط بڑھانے کے اقدامات سرانجام دیے گئے تھے۔ 1786ء میں ایک سفارتی وفد برما گیا تھا۔ میسور کی برآمدات میں زیادہ تر کالی مرچ...... ہاتھی دانت...... الائچی اور صندل کی لکڑی وغیرہ شامل تھی۔

◆

ریشم سازی

چین کے تاجروں کی آمد و رفت کی بدولت ریشمی کپڑے کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوا تھا۔ ٹیپو سلطان اب ریشم کے درختوں کی افزائش چاہتا تھا...... ان درختوں کی کاشت میں دلچسپی رکھتا تھا...... ان درختوں کے پتے ریشم کے کیڑوں کی غذا بنتے ہیں...... اس میدان میں چین کے ماہرین کو دعوت دی گئی تھی کہ وہ میسور آئیں اور یہاں کے کاشت کاروں اور کسانوں کو ریشم کے درخت کاشت کرنے کی تربیت دیں۔ ٹیپو سلطان کا مقصد یہ تھا کہ میسور ہندوستان میں ریشم کی صنعت میں ایک نمایاں مقام حاصل کرے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی میسور ریشم کی پیداوار میں ہندوستان بھر میں سبقت رکھتا ہے اور یہ ٹیپو سلطان کی ایک ہمیشہ قائم رہنے والی یاد ہے۔

◆

پبلک انٹر پرائزز

ٹیپو سلطان ایسے افکار اور خیالات کا بھی حامل تھا جن کے تحت حکومت بذات خود مارکیٹ میں ایک ایجنٹ کے طور پر اپنے عمل درآمد کو ممکن بنا سکے۔ کئی ایک اشیائے صرف پر ریاستی اجارہ داری قائم تھی...... صندل کی لکڑی‘ سونا‘ تمباکو کالی مرچ۔ ہاتھی اور ناریل وغیرہ وغیرہ...... حتیٰ کہ اس نے ایک سرکاری اسٹاک کمپنی کو قائم کرنے کی کوشش کی جس میں چھوٹے سرمایہ کار کو شمولیت کی دعوت دی گئی تھی...... ان کو یہ دعوت دی گئی تھی کہ وہ کم از کم 500 روپے کی سرمایہ کاری کر سکتے تھے اور ان کو 50 فی صد منافع کی ادائیگی کا وعدہ بھی کیا گیا تھا۔ اس نے حکومتی سطح پر اور حکومت کے زیر نگرانی بھی تھوک کی بنیاد پر تجارت سرانجام دینے کا بندوبست بھی کیا تھا مگر یہ امر غیر منافع بخش ثابت ہوا تھا۔ یہ تمام تر تدابیر اس کی فعال سرگرمیوں اور مختلف

تجربات سرانجام دینے کی اہم ترین مثالیں ہیں۔

ٹیپو سلطان نے غیر ممالک سے ٹیکنیشین اور ماہرین بھی بلوائے تھے تاکہ پیداواری صلاحیت میں گراں قدر اضافہ ممکن ہو سکے۔ اس کا یہ عمل ورآمد ایک گراں قدر اہمیت کا حامل تھا۔ اس طرح چند برسوں کے اندر اندر وہ اس قابل ہو چکا تھا کہ گھڑیوں...... دھاتی کٹلری...... قینچیاں اور مختلف سامان حرب مثلاً راکٹ بندوقوں وغیرہ کی تیاری سرانجام دے سکے۔ توپ سازی اور گن پاؤڈر کے علاوہ ایک کاغذ بنانے کی مل بھی لگائی تھی۔

⁂

ماحولیاتی بہتری

ٹیپو سلطان ماحولیاتی بہتری کو بھی مدنظر رکھتا تھا۔ کچھ فیکٹریاں ماحولیاتی بہتری کو متاثر کرتی تھیں۔ اس کو یہ اطلاع فراہم کی گئی کہ ایک دریا میں کثیر تعداد میں مچھلیاں ہلاک ہو چکی تھیں۔ اس کی ہلاکت کی وجہ ایک گن پاؤڈر تیار کرنے والی فیکٹری تھی جو دریا کے کنارے پر لگائی گئی تھی اور فیکٹری کا آلودہ پانی دریا کے پانی میں شامل ہونے کی وجہ سے کثیر تعداد میں مچھلیاں ہلاکت کا شکار ہوئی تھیں۔ ٹیپو سلطان نے فوری طور پر یہ احکامات جاری کیے کہ اس فیکٹری کو دریا کے کنارے کی بجائے کسی اور مقام پر قائم کیا جائے تاکہ دریا اور مچھلیوں دونوں کو بچانا ممکن ہو سکے۔ اس لحاظ سے وہ آج کل کی ہندوستان کی ماحول کو نقصان پہنچانے والی صنعت کے لئے ایک مثالی نمونہ تھا۔

ٹیپو سلطان سائنسی ساز و سامان میں بھی گراں قدر دلچسپی رکھتا تھا حالانکہ اس نے اس ساز و سامان کے بارے محض پڑھ رکھا تھا۔ اس نے اس ساز و سامان کے بارے میں یورپی کتابوں میں مطالعہ کر رکھا تھا۔

نیا کیلنڈر

ٹیپو سلطان علم تواریخ میں بھی دلچسپی لیتا تھا اور اسے بھی جدید بنانے کے لئے کوشاں تھا۔ 1784ء میں اس نے روایتی ہندوستان کیلنڈر کو مسلم کیلنڈر کے ساتھ تبدیل کر دیا تھا۔ اس میدان میں بھی وہ اپنے افکار اور خیالات کا حامل تھا۔ اس نے پیغمبر اسلام ﷺ کی ہجرت کو تواریخ کی بنیاد نہیں بنایا تھا بلکہ آپ ﷺ پر پہلی وحی کو تواریخ کی بنیاد بنایا تھا۔ اس نے مہینوں کے نئے نام بھی متعارف کروائے تھے لیکن تین برس بعد اسے یہ نام دوبارہ تبدیل کرنا پڑے تھے۔

◆

پیمائش اور اوزان کے نئے پیمانے

پیمائش اور وزن کرنے کے نئے پیمانے بھی متعارف کروائے گئے تھے۔ معیاری لمبائی 24 انچ مقرر کی گئی تھی۔ ایک انچ کی پیمائش کچھ تعداد چاولوں کی چوڑائی کے مساوی قرار دی گئی تھی۔ وزن کے پیمانے بھی تبدیل کر دیے گئے تھے۔ ان پڑھ کسانوں اور کاشکاروں کیلئے یہ ایک مشکل امر تھا کہ وہ ان نئی تبدیلیوں سے آشنائی حاصل کر سکیں۔ ٹیپو سلطان نے محض 17 برس حکمرانی سرانجام دی تھی اور اس کی بہت سی اصلاحات اپنی تکمیل تک نہ پہنچ پائی تھیں۔

ٹیپو سلطان نے شہروں اور دیہاتوں کے نام بھی تبدیل کر دیے تھے۔ روایتی نام بدل کر ان شہروں اور دیہاتوں کے نام مسلمانوں کے ناموں پر رکھے گئے تھے اور ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد اس کے تبدیل کردہ نام بھی اپنی موت آپ مر گئے تھے۔ ٹیپو سلطان کی سلطنت میں تقریبا 12 عدد ٹکسال تھے جو سونے...... چاندی...... اور تانبے کے سکے بنانے میں مصروف رہتے تھے۔ یہ ایک قابل ذکر امر ہے کہ ان سکوں پر ٹیپو سلطان کی تصویر نہیں بنائی جاتی تھی اور نہ ہی مغل شہنشاہ کی تصویر بنائی جاتی تھی۔ 1700ء کی دہائی میں ٹیپو سلطان کے ٹکسال کے تیار کردہ سکے ہندوستان کے بہترین سکوں میں سے تھے۔ ہندوستان کے بہت سے حکمرانوں نے اپنے پیچھے متاثر کن عمارات...... محلات...... قلعے...... اور مقبرے چھوڑے تھے لیکن اس میدان سے ٹیپو سلطان کو کوئی دلچسپی نہ تھی۔ فن تعمیر میں اس کی دلچسپی نہ ہونے کے برابر تھی۔ کہا جاتا ہے کہ سرنگاپٹم میں اس کا محل ایک خوبصورت محل تھا لیکن آج کل اس عمارت کا کوئی بھی حصہ نظر نہیں آتا۔

ٹیپو سلطان کا موسم سرما کا محل بھی موجود ہے۔ بنگلور میں اسی طرز کی ایک عمارت بخوبی محفوظ ہے۔ ٹیپو سلطان ایک دین دار مسلمان تھا اور یہ بات حیران کن ہے کہ اس نے اپنے پیچھے بہت سی مساجد نہیں چھوڑی تھیں۔ تاہم سرنگاپٹم قلعے کے اندر اس نے ایک مسجد تعمیر کروائی تھی جو بخوبی محفوظ ہے۔ ٹیپو سلطان ایک عملی شخص واقع ہوا تھا۔ ایک طرف وہ بطور ایک بادشاہ اپنا وقار عزیز رکھتا تھا دوسری طرف وہ شان و شوکت کی کوئی پرواہ نہ کرتا تھا۔

ٹیپو سلطان نے سڑکوں کی تعمیر کی جانب بھی گراں قدر توجہ مرکوز کروائی تھی اور اس کے دور میں سڑکوں کی صورت حال کافی بہتر ہوتی تھی۔

◆

ٹیپو سلطان اور مذہب

ٹیپو سلطان کا پیش رو اور اس کا باپ حیدر علی نہ صرف ان پڑھ تھا بلکہ وہ مذہب میں بھی کچھ زیادہ دلچسپی کا حامل نہ تھا۔ ٹیپو سلطان نے بہترین تعلیم حاصل کی تھی اور مذہب کے معاملے اور خواندگی کے معاملے میں وہ اپنے باپ کے برعکس واقع ہوا تھا۔ وہ ایک دین دار اور کٹر مسلمان تھا۔ وہ پانچ وقت کا نمازی بھی تھا اور مسلمانوں کے تہوار بھی پورے جوش۔ جذبے اور ولولے کے ساتھ مناتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ ماہ رمضان کے روزے بھی رکھتا تھا۔ ٹیپو سلطان کے بارے میں یہ پراپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ وہ مذہب کے معاملے میں تعصب کا حامل تھا اور ایک کٹر مذہبی شخص تھا۔ وہ دیگر مذاہب کو برداشت نہیں کرتا تھا اور دیگر مذاہب کے حامل افراد کو زبردستی مسلمان بناتا تھا۔ مسلمان ختنے کرواتے ہیں۔ ایک ہندو کو مسلمان بنانے کا ظالمانہ طریقہ یہ تھا کہ اس کے ختنے کروا دیے جائیں اور زبردستی اس کے منہ میں گائے کا گوشت ڈال دیا جائے۔ اس طرح وہ ناپاک ہو جاتا تھا اور اپنی مذہبی حیثیت کھو بیٹھتا تھا۔ یہ افواہ عام تھی (اب بھی ہے) کہ ٹیپو سلطان بھی اس قسم کے ہتھکنڈوں سے ہندوؤں کو مسلمان بناتا تھا۔ اگر آپ مختلف ذرائع سے مطالعہ سرانجام دیں اور پراپیگنڈہ کو نظر انداز کر دیں تو آپ پر حقیقت واضح ہوگی کہ یہ پراپیگنڈہ غلط تھا۔

میسور کی 90 فیصد آبادی ہندوؤں پر مشتمل تھی اور اس ریاست میں مسلمان اقلیت میں تھے۔ کوئی بھی ذریعہ یہ ظاہر نہیں کرتا کہ ٹیپو سلطان نے ہندوؤں کو زبردستی مسلمان بنانے کی کوشش سرانجام دی تھی بلکہ اس کے برعکس وہ یہ سمجھتا تھا کہ میسور میں ہندوؤں کی اکثریت تھی اور یہ اکثریت ہمیشہ قائم رہے گی۔ اس کی انتظامیہ میں بہت سے ہندو اہم عہدوں پر فائز تھے۔ اس کا وزیر اول بھی ایک ہندو تھا اور اس کے کئی ایک سفارت کار بھی ہندو تھے۔

آگرہ اور دہلی کے عظیم مغلوں نے غیر مسلموں پر خصوصی ٹیکس عائد کر رکھا تھا تاکہ ان کو یہ تحریک میسر آئے کہ وہ اسلام قبول کرتے ہوئے مسلمان ہو جائیں مزید برآں بالخصوص شہنشاہ اورنگ زیب نے 1600ء کی دہائی کے دوران ہندوؤں کے کئی ایک مندر گرا دیے تھے اور نئے مندروں کی تعمیر پر پابندی عائد کر دی تھی۔

لیکن ٹیپو سلطان ایسی کسی پالیسی پر عمل پیرا نہ تھا۔ ریاست میسور میں ہندوؤں کے مندر نہ صرف محفوظ تھے بلکہ ٹیپو سلطان وقتاً فوقتاً انہیں قیمتی تحائف سے بھی نوازتا رہتا تھا۔ سرنگاپٹم کے قلعہ کے صحن میں ایک قدیم اور مقدس مندر موجود ہے جو سری رنگاناتھ کے نام کے ساتھ منسوب ہے۔ یہ مندر ٹیپو سلطان کے محل سے قلیل فاصلے پر واقع تھا اور اس مندر میں بجنے والی گھنٹیوں کی آواز سے روزانہ ٹیپو سلطان کی آنکھ کھل جاتی تھی۔ اگر ٹیپو سلطان کسی قسم کے تعصب کا حامل ہوتا تو وہ کیوں مندر میں بجنے والی گھنٹیوں کے شور کو برداشت کرتا۔ یہ مندر آج بھی موجود ہے اور جس طرح ٹیپو سلطان کے زمانے میں ہندو زائرین اس مندر کا رخ کرتے تھے آج بھی اسی طرح ہندو زائرین اس مندر کا رخ کرتے ہیں ریکارڈ میں ایسے ہندو مندروں کی فہرست بھی موجود ہے جن کو ٹیپو سلطان کی حکومت سے امداد ملتی تھی۔

ہمیں ٹیپو کی اپنی شہادت اور تصدیق میسر ہے کہ اس کی ریاست میں مذہبی رواداری اور مذہبی برداشت کا عنصر بخوبی موجود تھا۔ 1787ء

کے ایک اعلامیہ میں وہ درج ذیل بیان دیتا ہے کہ:

- ☆ مذہبی رواداری اور مذہبی برداشت قرآن پاک کا بنیادی درس ہے۔
- ☆ قرآن فرماتا ہے کہ مذہب کے معاملے میں کوئی پابندی نہیں ہونی چاہیے۔
- ☆ قرآن فرماتا ہے کہ تم کافروں کے بتوں کو برا بھلا مت کہو۔
- ☆ قرآن فرماتا ہے کہ تم اہل کتاب سے کہو کہ ہمارا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے اور ہم اسی کی تابعداری کرتے ہیں۔

’’ہم خدا کے بنائے ہوئے اس قانون کو دل وجان سے عزیز رکھتے ہیں۔ یہ بنی نوع انسان کو بھائی چارے کا درس دیتا ہے اور انسانی وقار کو بلند کرتا ہے۔ ہم نے ہندوؤں کی ویدوں کا بھی مطالعہ کیا ہے۔ وہ بھی عالمگیر اتفاق اور اتحاد کا درس دیتی ہیں اور اس اعتقاد کی وضاحت کرتی ہیں کہ خدا ایک ہے اگرچہ وہ کئی ایک ناموں کا حامل ہے۔‘‘

- ☆ ہمیں افسوس ہے کہ کچھ لوگ...... مذہب کا لبادہ اوڑھے...... اس ریاست کی سرحدیں عبور کرتے ہوئے ریاست میں داخل ہو چکے ہیں اور وہ اس غلط اور مکروہ نظریے کا پرچار کرتے ہیں جو مختلف مذاہب کے درمیان نفرت پیدا کرتا ہے۔
- ☆ لہٰذا ہم یہ اعلان کرتے ہیں کہ آج کے بعد یہ عمل درآمد ایک جائز اور قانونی طرز عمل تصور نہ کیا جائے گا جس کے تحت کسی بھی فرد کے ساتھ رنگ......نسل......ذات یا مذہب کی بنا پر امتیاز برتا جائے......‘‘

تاہم جب تک آگ نہ جلے تب تک دھواں نہیں اٹھتا۔ ٹیپو سلطان کے خلاف جو داستانیں منظر عام پر آئیں ان کے پس پردہ کچھ حقائق بھی پنہاں تھے۔

ایک مذہبی اقلیت جو ٹیپو سلطان کے دور میں بری طرح متاثر ہوئی وہ نام نہاد کنارہ عیسائی تھے۔ ان کی آبادی تقریباً دو لاکھ کے لگ بھگ تھی۔ یہ لوگ میسور کے شمال مغرب میں آباد تھے۔ 1500ء کی دہائی میں ان لوگوں نے کیتھولک عیسائیت قبول کر لی تھی اور اب یہ لوگ بطور کسان/ کاشت کار اور بطور مچھیرے امن وامان سے رہ رہے تھے۔

1761ء میں ان لوگوں کے علاقے کو حیدر علی نے میسور میں شامل کر لیا تھا۔ لیکن یہ لوگ اپنے نئے آقا سے خوش نہ تھے۔ انہوں نے گوا میں پرتگالیوں کے ساتھ اپنے روابط برقرار رکھے تھے اور مغربی ساحل پر فرنگیوں کے ساتھ بھی اپنے روابط برقرار رکھے تھے اور فرنگیوں اور میسور کی دوسری لڑائی کے دوران انہوں نے ایک فعال انداز میں فرنگیوں کی مدد سرانجام دی تھی۔ دیگر اشیاء کے علاوہ انہوں نے 1783ء میں بنگلور کے محصور فرنگیوں کو خوراک اور دیگر سامان رسد بھی فراہم کیا تھا۔ جنرل میتھیور کے بجنور فتح کرنے کے عمل کے دوران بھی انہوں نے فرنگیوں کی فعال معاونت سرانجام دی تھی۔

کنارا عیسائیوں کی دانست میں یہی ایک راستہ تھا جس پر چلتے ہوئے وہ اپنے آپ کو میسور کے تسلط سے آزاد کروا سکتے تھے...... لیکن ٹیپو سلطان ان کے اس عمل درآمد کو غداری تصور کرتا تھا اور جنگ سے فراغت پانے کے بعد ان کے خلاف کاروائی کو حق بجانب قرار دیتا تھا۔ ان کے

کچھ رہنماؤں کو تختہ دار پر چڑھا دیا گیا لیکن ان کی ایک کثیر تعداد (تیس یا چالیس ہزار) کو علاقہ بدر کرتے ہوئے زبردستی سرنگاپٹم کی جانب دھکیلا گیا اور کچھ افراد کو میسور کے دیگر قلعوں کی جانب دھکیل دیا گیا۔ ان کو پندرہ ماہ سے زائد عرصہ تک زیر حراست رکھا گیا۔ کچھ افراد کو میسور کی فوج میں بھرتی کیا گیا لیکن ان میں سے بہت سے افراد ادنی کاموں سے منسلک ہو کر اپنا روزگار کماتے رہے۔ وہ افراد جو اپنا مذہب تبدیل کرنے پر آمادہ ہو گئے اور مسلمان ہو گئے ان کو آزاد کر دیا گیا۔ مذہب کی اس تبدیلی کو ختنے کے ذریعے نمایاں کیا گیا۔

ٹیپو سلطان کے جو خطوط محفوظ ہیں ان میں سے ایک خط گوا کے ایک بشپ کے نام بھی ہے جس میں اس نے عیسائی بشپ سے درخواست کی ہے کہ ایک عیسائی پادری سرنگاپٹم روانہ کیا جائے جو کہ زیر حراست افراد کے لئے پادری کے فرائض سرانجام دے۔ وہ جس مذہبی رواداری اور برداشت کا قائل تھا یہ خط اس مذہبی رواداری اور برداشت کی ایک شہادت اور تصدیق ہے۔

ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد بہت سے عیسائی اپنے آبائی ضلع میں واپس چلے آئے تھے۔ وہ افراد جو اپنا مذہب تبدیل کرتے ہوئے مسلمان ہو چکے تھے انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ ان کے ختنے زبردستی کئے گئے تھے۔ یہ سب کچھ انہوں نے اپنے خاندان والوں کی لعن طعن سے بچنے کے لئے کیا تھا۔ شاید دیگر وجوہات کے علاوہ یہ بھی ایک وجہ تھی جس کے تحت زبردستی ختنے کروانے کی افواہیں گردش کرنے لگی تھیں۔ کوئی بھی شخص یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ ٹیپو سلطان باغیوں یا غداروں کے ساتھ ظالمانہ سلوک کرتا تھا لیکن اس کا مقصد مذہبی تعصب نہ تھا۔ وہ محض بغاوت کو کچلنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ کچھ مشرک گروپ آمادہ بغاوت تھے وہ ٹیپو سلطان کے غصے کا نشانہ بنے۔ وہ گروپ بار بار میسور کے خلاف بغاوت کرتے تھے۔ بغاوت کو کچلنے کے بعد ٹیپو سلطان نے ان لوگوں کے سامنے ایک مصالحتی تقریر کی اور ان کو یہ دھمکی دی کہ وہ انہیں "مسلمان بنا ڈالے گا" بشرطیکہ وہ اپنی باغیانہ سرگرمیوں سے باز نہ آئے زبردستی مذہب کو تبدیل کروانا اس دور میں ایک سخت سزا تصور کی جاتی تھی۔ نئی بغاوت منظر عام پر آئی اور ٹیپو سلطان نے کچھ باغیوں کو تختہ دار پر لٹکانے کے علاوہ کچھ باغیوں کے زبردستی ختنے کروا دیے۔ یہ سزائیں مذہبی نکتہ نظر کے تحت نہ دی گئی تھیں بلکہ ان کی وجوہات سیاسی وجوہات تھیں۔ وہ باغیوں کی بغاوت کچلنا چاہتا تھا اور انہیں اپنی اطاعت پر مجبور کرنا چاہتا تھا۔ باغیوں کا دوسرا گروپ جو ٹیپو سلطان کے غصے کا نشانہ بنا وہ مالا بار ساحل کے قبائل تھے۔

یہ قبیلہ کئی مرتبہ ٹیپو سلطان کے خلاف آمادہ بغاوت ہوا اور انہوں نے میسوریوں کے خلاف ایک مکمل گوریلا جنگ بھی جاری رکھی۔ اس قبیلے نے ٹیپو سلطان کی اطاعت قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اور ٹیپو سلطان نے ان کو سرنگوں کرنے کے لئے سخت اور ظالمانہ تدابیر استعمال کیں لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ یہ وہی قبیلہ تھا جو غیر انسانی اور فحش رسم و رواج کا حامل تھا۔ ایسی رسم و رواج ایک تہذیب یافتہ معاشرے کے لئے قابل قبول نہ تھیں اور ٹیپو سلطان اصلاح کرتا تھا۔ لہٰذا ان لوگوں کو زبردستی مسلمان بنایا گیا اور ان کے ختنے کئے گئے...... اور اس عمل در آمد کا مظاہرہ محض سزا کے طور پر کیا گیا اور باغیوں کو "مسلمان بنایا گیا"۔ اس عمل در آمد کے پیچھے بھی سیاسی مقاصد کارفرما تھے اور مذہبی مقاصد کارفرما نہ تھے۔

انگریز لکھاریوں نے ٹیپو سلطان کی کئی ایک سوانح حیات تحریر کی ہیں۔ یہ وہ انگریز تھے جو ٹیپو سلطان کے قیدی رہ چکے تھے۔ ان میں سے کئی ایک سوانح حیات میں زبردستی مسلمان بنانے اور ختنے کروانے کی داستانیں بھی شامل ہیں۔

انگریز جنگی قیدی جو بطور فوجی افسر کمتر مفید ثابت ہوتے تھے یا وہ انگریز قیدی جو ماہر کاریگر ہوتے تھے ان کو اس شرط پر رہائی کی پیش کش کی جاتی تھی بشرطیکہ وہ مسلمان ہونے پر آمادہ ہوں۔ بہت سے انگریز جنگی قیدیوں نے اس پیش کش سے فائدہ اٹھایا تھا اور جنگی قیدی کی زندگی سے نجات پاتے ہوئے ایک آزاد زندگی بسر کی تھی۔ کئی ایک انگریزوں نے ہندوستانی عورتوں کے ساتھ شادیاں بھی کی تھیں اور اپنے خاندانوں کی بنیاد رکھی تھی۔ ٹیپو سلطان ان انگریزوں کو جنگی قیدی تصور نہ کرتا تھا اور امن قائم ہونے کے بعد جب جنگی قیدیوں کا تبادلہ ہوتا تھا تب وہ انہیں جنگی قیدیوں کا حصہ ماننے سے انکار کر دیتا تھا۔ یہ لوگ اپنے ہم وطنوں سے بھی کہتے تھے کہ انہیں زبردستی مسلمان بنایا گیا تھا اور زبردستی مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کیا گیا تھا تاکہ ان کے سامنے سرخرو ہو سکیں۔ لہٰذا ٹیپو سلطان کے خلاف یہ افواہیں گشت کرتی رہتی تھیں کہ وہ غیر مسلموں کو زبردستی مسلمان بناتا تھا۔

اگرچہ ٹیپو سلطان انگریزوں کے خلاف تھا اور ان سے سخت نفرت کرتا تھا لیکن وہ ان کے مذہب کے خلاف نہ تھا اور نہ ہی عیسائیت کو برا بھلا کہتا تھا۔ وہ انہیں ''کافر'' قرار دیتا تھا جو کہ غیر مسلموں کے لئے استعمال کی جانے والی ایک اصطلاح تھی لیکن غیر مسلم اس اصطلاح کو اپنے لئے ایک گالی تصور کرتے تھے۔ انگریزوں کے خلاف اس کی جنگ خالصتاً سیاسی مقاصد کے تحت تھی۔ وہ فرانسیسیوں سے تعاون کرتا تھا اور ان کی مدد حاصل کرتا تھا حالانکہ وہ بھی عیسائی تھے۔

قارئین کرام کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ ٹیپو سلطان کا دور ایک ظالمانہ دور تھا اور اس دور میں ظالمانہ اور غیر انسانی سزائیں دی جاتی تھیں اور اگر ٹیپو سلطان نے کبھی کبھار اپنے مذہب کا نامناسب استعمال کرتے ہوئے سزا کے طور پر باغیوں یا گوریلا جنگ لڑنے والوں کو زبردستی مسلمان بنا بھی لیا تو یہ سب کچھ باغیوں اور گوریلا جنگ لڑنے والوں کے خلاف اس کے غصے کا اظہار تھا کیونکہ یہ باغی اپنی باغیانہ سرگرمیوں اور ٹیپو سلطان کے خلاف گوریلا جنگ لڑنے سے کبھی باز نہ آئے تھے۔

فرنگیوں اور میسور کی تیسری لڑائی (1790 تا 1792ء)

بنگلور میں انگریزوں کے ساتھ 1784ء کا امن معاہدہ ٹیپو سلطان کی ایک عظیم کامیابی تھی۔ یہ جنگ اسے اپنے باپ سے وراثت میں ملی تھی اور اب اس جنگ کا اختتام ایک شاندار اختتام تھا۔ یہ ایک لحاظ سے ٹیپو سلطان کی فتح تھی کہ انگریز امن کی تلاش میں دور دراز کا سفر طے کرتے ہوئے اس کے پاس آئے تھے اور امن کے طلب گار بنے تھے۔

کمپنی کی اعلیٰ کمان بھی یہ سمجھتی تھی کہ معاہدہ امن کی شرائط ان کی تذلیل کا باعث تھیں اور بہت سے انگریز حکام اس رائے کے حامل تھے کہ مستقبل قریب میں وہ اس ذلت کا داغ دھو ڈالیں گے۔ یہ امن محض التوائے جنگ یا عارضی صلح تھی۔ تاہم فوری مخالفت کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا کیونکہ معاشی حالت از حد خستہ حالی کا شکار تھی۔ مزید برآں لندن میں پارلیمنٹ نے ایک بل پاس کیا تھا...... 1784ء کا انڈیا ایکٹ...... اس بل کے تحت ہندوستان میں فرنگیوں کی کاروائیوں کو کسی حد تک کم کرنا تھا۔ اس ایکٹ کے تحت کمپنی پر یہ پابندی عائد کی گئی تھی وہ نہ تو کسی جنگ میں حصہ لے اور نہ ہی کسی جارحانہ اتحاد میں شمولیت اختیار کرے اور نہ ہی جارحیت پر مبنی کوئی معاہدہ سرانجام دے اور نہ ہی کسی مقامی حکمران کو بورڈ آف کونسل - لندن کی پیشگی اجازت حاصل کئے بغیر گارنٹی یا تحفظ فراہم کرے۔

انگریز ہندوستان میں اپنے اقتدار کو جو وسعت عطا کرنے کا ارادہ رکھتے تھے اس ایکٹ کے تحت ان کے اس ارادے پر قدغن لگائی گئی تھی۔ لیکن مواصلاتی ذرائع کچھ اس نوعیت کے حامل تھے کہ اس ایکٹ پر عمل درآمد کرنا مشکل تھا کیونکہ لندن سے اجازت طلب کرنا اور اس کے جواب سے فیض یاب ہونا تقریبا ایک برس پر محیط عمل درآمد تھا۔ اگرچہ فرنگیوں کے ساتھ امن قائم ہو چکا تھا لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ سرنگا پٹم میں بھی سکون کا دور دورہ تھا۔ شمال میں میسور کے ہمسائے مرہٹے اور حیدرآباد...... اندرون خانہ ٹیپو سلطان سے حسد کا شکار تھے...... اور شاید خوف کا بھی شکار تھے...... وہ ٹیپو سلطان کی بڑھتی ہوئی قوت سے خائف تھے۔

شمالی میسور میں ٹیپو سلطان کو اپنے ہمسایوں کے خلاف ایک اور جنگ لڑنا پڑی۔ یہ جنگ مارچ 1786ء میں شروع ہوئی تھی اور ایک برس بعد ماہ اپریل میں اپنے اختتام کو پہنچی تھی۔ زیر نظر کتاب میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ اس جنگ کی تمام تر تفصیلات بیان کی جائیں اور ان مصائب کو بیان کیا جائے جنہوں نے اس جنگ کی وجہ سے سر اٹھایا تھا۔ لیکن یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس جنگ کے دوران ٹیپو سلطان بطور ایک برتر لیڈر اور برتر جرنیل منظر عام پر آیا۔ لہٰذا اس کی اس برتری کے پیش نظر یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ امن کی شرائط مرہٹوں کے لئے کافی سخت ہوں گی۔ تاہم اس موقع پر ٹیپو سلطان نے ”مصالحتی امن“ کی راہ کو اختیار کیا اور اپنے مخالفین کو اس امید پر معقول شرائط پیش کیں کہ اسکے اس عمل درآمد کے تحت عین ممکن تھا کہ مستقبل میں امن اور دوستی کی بنیاد رکھی جا سکے۔ تاہم ٹیپو سلطان کی خواہش پوری نہ ہو سکی اور مستقبل میں امن اور دوستی کی بنیاد نہ رکھی جا سکی۔ یہ ایک قابل ذکر امر ہے کہ فرنگیوں نے اس جنگ میں کسی بھی فریق کی مدد کرنے سے انکار کر دیا تھا حالانکہ مرہٹے انگریزوں سے امداد کی درخواستیں کر رہے تھے۔ انگریز بنگلور کے معاہدہ امن کو مدنظر رکھنے کے خواہاں تھے!

کارن ویلس کا تقرر

اس دوران فرنگی عہدے داروں میں تبدیلیاں بھی منظر عام پر آئیں اور ان تبدیلیوں نے مستقبل پر اپنے گہرے اثرات مرتب کیے۔ چارلس کارن ویلس نیا گورنر جنرل مقرر ہوا...... یہ وہ شخص تھا جس نے انتہائی سرعت کے ساتھ فرنگی فوج میں ترقی کی منازل طے کی تھیں۔ کارن ویلس نہ صرف ایک ذہین فوجی افسر تھا بلکہ ایک بہترین منتظم بھی تھا...... وہ ایک ایماندار شخص تھا اور با اصول شخص بھی تھا...... دولت اور عورتوں کی اس کے نزدیک کوئی اہمیت نہ تھی۔ وہ ایک مغرور فرنگی تھا اور اس نکتہ نظر کا حامل تھا کہ دنیا میں انگلستان کی بڑھتی ہوئی طاقت اور قوت عطیہ خداوندی تھا۔ ہندوستان کا گورنر جنرل ہونے کی حیثیت میں وہ یہ سمجھتا تھا کہ خدا نے انگریزوں کو ہندوستان میں جو حکمرانی عطا کی تھی اس کو وسعت عطا کرنا اس کا مشن تھا۔ وہ ٹیپو سلطان کی حکمرانی کے خاتمے کو اپنا اولین فرض تصور کرتا تھا۔

وہ 24 اگست 1786ء کو مدراس پہنچا تھا لیکن جلد ہی دارالخلافہ کلکتہ کی جانب روانہ ہو گیا تھا۔ اس نے جلد ہی انگریز انتظامیہ کی اصلاح کے لئے کام شروع کر دیا تھا جو اس کے پیش روی کی زیر نگرانی بدعنوان اور ناقص کارکردگی کی حامل ہو چکی تھی۔ کمپنی کی مسلح افواج بھی نئے گورنر جنرل کے ارادے بھانپ چکی تھی اور اس نے بھی اپنے آپ کو مسلح کرنا شروع کر دیا تھا تا کہ مستقبل میں ٹیپو سلطان کے ساتھ محاذ آرائی کی جا سکے۔

فرنگی ٹیپو سلطان کے ساتھ ایک نئی جنگ شروع کرنے کا محض ایک بہانہ چاہتے تھے۔

اور ٹیپو سلطان نے بذات خود انہیں جواز مہیا کر دیا۔

* * *

ٹراونکور کے ساتھ جنگ

ٹراونکور ہندوستانی جزیرہ نما کے جنوب مغربی حصے پر مشتمل تھا اور اس پر مقامی راجہ رام ورما کی حکومت قائم تھی۔ اس حکمران کے ساتھ میسور کے کئی ایک اختلافات تھے اور یہ اختلافات حیدر علی کے دور سے چلے آ رہے تھے۔ لہٰذا ورما نے فرنگی کمپنی کے ساتھ ایک معاہدہ سرانجام دیا تھا۔

1789ء کے موسم خزاں میں فریقین کے درمیان نئے اختلافات منظر عام پر آئے۔ ٹیپو سلطان کی خواہش کے برعکس راجہ نے ساحل پر واقع دو چھوٹے قلعے ولندیزیوں سے خرید لئے۔ ٹیپو سلطان چاہتا تھا کہ یہ قلعے اس کے قبضے میں آئیں۔ ٹیپو سلطان اس نکتہ نظر کا حامل تھا کہ راجہ نے اسے مشتعل کرنے کی خاطر یہ قلعے خریدے تھے۔ مزید پیچیدگی کا سبب ساحل اور پہاڑوں کے درمیان ایک دفاعی لائن تھی...... جو نام نہاد ٹراونکور لائن کہلاتی تھی۔ اس کا مقصد شمال کی جانب بطور ایک دفاعی لائن کا کام دینا تھا۔ یہ لائن جزوی طور پر اس سرزمین سے گزرتی تھی جو کوچین کے راجہ کی حدود میں واقع تھی جو میسور کا وفادار تھا اس مسئلے کے حل کے لئے راجہ کے ساتھ گفت و شنید سرانجام دی گئی لیکن یہ گفت و شنید کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکی کیونکہ راجہ مصالحت پر آمادہ دکھائی نہ دیتا تھا۔

28 دسمبر 1789ء کو تراونکور لائن پر ایک مسلح تصادم رونما ہوا۔ تاریخ دان اس تصادم کی وجوہات کے بارے میں مختلف نکتہ نظر کے حامل

ہیں لیکن اس تصادم میں میسوریوں کا جانی نقصان ہوا اور فریقین کے درمیان تناؤ اور کھچاؤ میں مزید اضافہ ہوا۔ اس تمام تر معاملے میں جو تشویشناک بات تھی وہ یہ تھی کہ کارن ولیس اس نکتہ نظر کا حامل تھا کہ میسوریوں نے جان بوجھ کر کمپنی کے ایک اتحادی پر حملہ کیا تھا اور یہ بنگلور کے معاہدہ امن کی ایک کھلی خلاف ورزی تھی۔ لہٰذا اس نے یہ سوچا کہ وہ انڈیا ایکٹ کو کوئی رکاوٹ نہ گردانتے ہوئے ٹیپو سلطان کی مخالفت پر کمربستہ ہو سکتا تھا۔

دوسری جانب اب ٹیپو سلطان نے تراون کور پر بھرپور حملہ کر دیا تھا اور مئی 1790ء میں اس کی مزاحمت کو پاش پاش کر کے رکھ دیا تھا اور ایسا دکھائی دیتا تھا کہ تراون کور کو بھی اب ٹیپو سلطان کی سلطنت میں شامل کر لیا جائے گا۔ لیکن اس مرحلے پر ٹیپو سلطان اس امر سے بخوبی آگاہ تھا کہ سفارت کاری کے میدان میں کیا کچھ وقوع پذیر ہو رہا تھا۔ لہٰذا اس نے یہ فیصلہ کیا کہ تراون کور سے اپنی افواج کو واپس بلا لیا جائے۔

* * *

میسور کے خلاف جارحانہ اتحاد

تراون کور لائن کے ساتھ جو واقعات رونما ہوئے تھے ان واقعات نے کارن ولیس کو یہ ترغیب دلائی کہ وہ ٹیپو سلطان پر ایک مضبوط گرفت ڈالنے کے لئے سفارت کاری کے میدان میں اپنی سرگرمیاں تیز کرتے ہوئے اس کے خلاف ایک جارحانہ اتحاد تشکیل دے۔ لہٰذا 1790ء کا موسم بہار سفارتی سرگرمیوں سے بھرپور تھا۔ پونا اور حیدرآباد دونوں میں انگریز سفارت کار اس نظریے کے تحت روبہ عمل تھے کہ ان دونوں طاقتوں کو کسی بھی قیمت پر اس امر پر رضامند کیا جائے کہ وہ فرنگیوں کے ساتھ مل کر ٹیپو سلطان کے خلاف آمادہ جنگ ہوں۔ انگریز اس خطرے کو بھی بھانپ چکے تھے جو ان کے سروں پر منڈلا رہا تھا۔ لہٰذا انہوں نے اپنے بہترین سفارت کاروں کی خدمات سے استفادہ حاصل کیا اور وہ کم از کم یہ چاہتے تھے کہ ٹیپو سلطان کے یہ دونوں ہمسائے اور نہیں تو مستقبل کے معرکے کے دوران کم از کم غیر جانبدار رہنے کا ہی اعلان کر دیں۔

ایک اونچے درجے کا سفارتی کھیل کھیلا گیا۔ ماہ فروری میں پونا میں پیشوا پہلے ہی اصولی طور پر یہ تسلیم کر چکا تھا کہ ٹیپو سلطان کے خلاف انگریزوں کے ساتھ مل کر ایک جارحانہ اتحاد قائم کیا جانا چاہئے۔ درحقیقت یکم جون کو وہ پہلے ہی میسور کے خلاف کمپنی کے ساتھ جارحانہ اتحاد قائم کرنے کی توثیق کر چکا تھا۔ اس معاہدے کے تحت مرہٹوں نے کم از کم 25,000 کی نفری پر مشتمل فوجی دستوں کا بندوبست کرنا تھا اور میسور پر فوری طور پر حملہ آور ہونا تھا۔ مرہٹوں نے یہ وعدہ بھی کیا کہ وہ ایک ماہ کے اندر اندر کمپنی کی درخواست پر 10,000 مضبوط گھوڑ سوار فوج بھی کمپنی کو مہیا کریں گے۔ اس کے جواب میں تمام تر مفتوحہ علاقے حملہ آوروں میں برابر تقسیم ہوں گے۔ مزید برآں تمام تر سابق جاگیردار (جن کو ٹیپو سلطان نے برطرف کر دیا تھا اور ان کی جگہ سول سروس کے اہلکار تعینات کر دیے تھے) بھی جنگ کے بعد اپنے سابقہ عہدوں پر بحال کر دیے جائیں گے

ان کارروائیوں کے ساتھ ساتھ بیک وقت اسی قسم کی گفت و شنید حیدرآباد میں بھی جاری تھی۔ تاہم نظام ناخوش اور نارضامند دکھائی دیتا تھے اور وہ مرہٹہ اتحادیوں کو شک کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ وہ ان کو بدنیت تصور کرتا تھا۔ حیدرآباد میں صورت حال اس لئے بھی پیچیدگی کا شکار تھی کہ دربار بھی اس مسئلے پر اختلاف رائے کا شکار تھا۔ ایک اثر و رسوخ کا حامل گروپ میسور کے ساتھ اتحاد چاہتا تھا۔ ٹیپو سلطان کے سفارت کاروں نے پس منظر میں

رہتے ہوئے بہترین خدمات سرانجام دیں۔ وہ وزیر جو میسور کے ساتھ اتحاد کا زیادہ حامی تھا وہ اچانک موسم بہار کے دوران انتقال کر گیا۔ تاہم کافی گفت وشنید کے بعد نظام نے بھی بالآخر اسی جارحانہ اتحاد پر دستخط کر دیے (6 جولائی) جس پر مرہٹے پہلے ہی دستخط کر چکے تھے۔ کارن ویلس نے گفت وشنید کے دوران کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی لہٰذا انگریز سفارت کاروں نے میسور کے اردگرد کے کئی ایک حکمرانوں کے درباروں کا دورہ کیا اور ان کو ٹیپو سلطان کے خلاف آمادہ بغاوت کرنے کی کوشش کی اور مستقبل کے فوائد کا لالچ دیتے ہوئے وہ کئی ایک چھوٹی ریاستوں کو ٹیپو سلطان کی مخالفت پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ فوجی کاروائی کا آغاز کرنے سے پیشتر ہی فرنگی سفارتی جنگ جیت چکے تھے

ٹیپو سلطان نے اب اپنے آخری اتحادی فرانس کی جانب رجوع کیا۔ فرانس میں ٹیپو سلطان نے اپنے جو سفارت کار روانہ کئے تھے وہ 1789ء کے موسم بہار میں واپس آ چکے تھے۔ وہ ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف فرانسیسیوں کا فوجی تعاون حاصل کرنے میں ناکام رہے تھے۔ لیکن ٹیپو سلطان نے ہمت نہ ہاری تھی۔ جب 1790ء کے آخر میں کشیدگی کا آغاز ہوا تھا تب اس نے پانڈی چری میں فرانسیسی کمانڈنٹ کو مدد اور تعاون کے لئے ایک مرتبہ پھر درخواست کی تھی۔ لیکن جواب نفی میں تھا...... فرانس ایک نئی جنگ میں مداخلت سرانجام نہیں دینا چاہتا تھا بلکہ اس نے اپنے آپ کو غیر جانبدار قرار دیا تھا۔ لہٰذا ٹیپو سلطان کی سفارتی مہم ناکامی کا شکار ہو چکی تھی اور یہ مہم تمام تر سفارتی محاذوں پر ناکامی سے دوچار ہوئی تھی اور اب وہ تین طاقتوں کے طاقت ور اتحاد کے علاوہ کئی ایک باغی منصب داروں کے سامنے تن تنہا کھڑا تھا۔

◆

جنگ کا پہلا مرحلہ

اس مہم کے لئے فرنگیوں کا منصوبہ یہ تھا کہ میسور پر تین اطراف سے حملہ آور ہوا جائے۔ جنرل میڈوز...... جس کو کمانڈر انچیف مقرر کیا گیا تھا...... اس نے جنوب سے حملہ آور ہونا تھا اور اردگرد کے صوبوں پر قبضہ جمانا تھا تا کہ اس مہم کے دوران فوج اشیائے خورد ونوش اور سامان رسد ان صوبوں سے حاصل کر سکے اور اسی مقام سے اس نے کسی ایک درے کے ذریعے میسور میں سطح مرتفع تک داخل ہونا تھا۔

24 مئی 1790ء کو 15,000 افراد کی نفری پر مشتمل فوج اس کے زیر کمان کھڑی تھی۔ لہٰذا اس فوج نے اپنی پیش قدمی کا آغاز کیا اور 5 جون کو یہ فوج میسور کی پہلی سرحدی چوکی تک جا پہنچی جس کے دفاع کا کوئی بندوبست نہ کیا گیا تھا۔

اس موقع پر ٹیپو سلطان کے ایک جرنیل سے بدقسمت غلطیاں سرزد ہوئیں جن کی پاداش میں فرنگیوں نے اس علاقے پر اپنا تسلط قائم کر لیا۔

اس کتاب میں جن جنگوں کا تذکرہ پیش کیا گیا ہے ان میں کئی ایک قلعوں میں معقول تعداد میں محافظ فوج اور خوراک واسلحہ کا ذخیرہ موجود ہوتا تھا اور یہ قلعے ایک لمبے دورانیے پر محیط محاصرے کا بخوبی مقابلہ کر سکتے تھے۔ ان قلعوں سے دشمن پر حملہ آور ہونا بھی ممکن تھا اور حملہ آور دشمن اس وقت تک غیر محفوظ ہوتا تھا جب تک یہ قلعے دفاع سرانجام دینے والی فوج کے قبضے میں رہتے تھے۔

ٹیپو سلطان کے دور حکومت میں لڑی جانے والی تمام تر جنگوں کے محاصرے کی داستانیں اگر زیر نظر کتاب میں بیان کی گئیں تو

قارئین کرام اکتا جائیں گے۔ لہٰذا اہم مثال کے طور پر ایک محاصرے کا ذکر کرتے ہیں ہم ریاست میسور کے جنوب میں واقع قلعہ ڈنڈی گل کا انتخاب کرتے ہیں۔ یہ وہی قلعہ تھا جہاں پر حیدر علی...... ٹیپو سلطان کا والد...... اس نے اپنے آپ کو بطور گورنر نمایاں کیا تھا۔ یہ قلعہ ایک اونچی چٹان پر واقع تھا اور تین اطراف میں چٹانیں موجود تھیں اور اس قلعے کی چوتھی جانب ایک دیوار تھی جس میں ایک دروازہ بھی نصب تھا۔ یہ قلعہ ناقابل تسخیر تصور کیا جاتا تھا اور اس قلعے میں 800 افراد کی نفری پر مشتمل محافظ فوج کے علاوہ راشن پانی اور اسلحے کا وافر ذخیرہ بھی موجود تھا۔

اگست 1790ء میں ایک انگریز فوج جس کی کمان کرنل اسٹارٹ کے ذمہ تھی اس قلعے تک آن پہنچی۔ اس انگریز کمانڈر نے قلعے کی محافظ فوج کے کمانڈر کو یہ پیغام ارسال کیا کہ اگر وہ اطاعت قبول کرے اور قلعہ انگریز فوج کے حوالے کردے تو اس کی محافظ فوج کو اپنے ذاتی ساز و سامان کے ہمراہ بخیریت نکل جانے کی اجازت فراہم کردی جائے گی اور اگر ایسا نہ کیا گیا تو قلعہ پر چڑھائی کردی جائے گی...... قلعے پر دھاوا بول دیا جائے گا اور تمام تر محافظ فوج کو تہ تیغ کردیا جائے گا۔ لیکن قلعے کی محافظ فوج کے کمانڈر نے اطاعت قبول کرنے اور قلعہ فرنگیوں کے حوالے کرنے سے انکار کردیا اور یہ پیغام ارسال کیا کہ اگر کوئی پیغام بر دوبارہ اس قسم کا پیغام لے کر آن پہنچا تو اسے توپ کے گولے کے ساتھ اڑا دیا جائے گا۔

اس کے بعد فرنگی توپ خانے نے گولہ باری شروع کردی تاکہ قلعے کی دیوار میں شگاف کرسکیں۔ دو روز کی گولہ باری کے بعد وہ ایک چھوٹا سا شگاف کرنے میں کامیاب ہوگئے لیکن چونکہ اسلحہ کی کمی پڑ چکی تھی لہٰذا یہ فیصلہ کیا گیا کہ قلعے پر فوری طور پر دھاوا بول دیا جائے۔ لہٰذا فرنگی فوج نے انتہائی دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس شگاف کی جانب بڑھنا شروع کیا جو ان کی گولہ باری سے قلعے کی دیوار میں رونما ہو چکا تھا مگر قلعے کے دفاع پر مامور محافظ فوج نے بھی کمال جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے حملہ آوروں کا بھرپور مقابلہ کیا۔ جس کے نتیجے میں حملہ آوروں کو کافی نقصان اٹھانا پڑا اور پسپائی کی راہ اختیار کرنا پڑی۔ اگلی صبح فرنگی فوج کی حیرت کی اس وقت کوئی انتہا نہ تھی جب قلعے سے سفید جھنڈا لہرایا گیا۔ اہل قلعہ اب اطاعت قبول کرنے پر آمادہ تھے۔ رات کے وقت قلعے کی محافظ افواج اس اندیشے کا شکار ہوگئی تھی کہ حملہ آور فوج دوبارہ قلعے پر چڑھائی کردے گی۔ انہوں نے حملہ آور فوج کی قوت کا غلط اندازہ لگایا تھا۔ ان کے خیال میں حملہ آور فوج بے بہا قوت اور طاقت کی حامل تھی لہٰذا قلعہ فرنگی فوج کے حوالے کردیا گیا اور محافظ فوج بخیر و خوبی قلعہ سے نکل گئی۔ یہ تمام تر کارروائی محض ایک ہفتے کے اندر اندر مکمل ہو چکی تھی۔

دوران جنگ اس قسم کے واقعات پیش آنے کی بدولت نہ صرف جنگی جذبہ ماند پڑ جاتا ہے بلکہ مورال بھی پست ہوجاتا ہے اور اب ٹیپو سلطان کے بہت سے قلعے جنگ لڑے بغیر ہی فرنگیوں کے ہاتھ لگ چکے تھے۔

لہٰذا 1790ء کا موسم گرما ٹیپو سلطان کے لئے کامیابی کی نوید ثابت نہ ہوا۔ لیکن اس دوران ٹیپو سلطان بھی بیکار بیٹھا نہ رہا بلکہ اس نے سرنگا پٹم میں تین ماہ گزارے اور اپنی فوج کو اسلحے سے لیس کرتا رہا۔ ماہ ستمبر میں وہ اپنے دارالحکومت سے روانہ ہوا۔ اس کے ہمراہ اسلحے سے مکمل طور پر لیس فوج تھی جس کی تعداد 40,000 تھی اور اس کے علاوہ ایک بہتر توپ خانہ بھی اس کے ہمراہ تھا۔ ٹیپو سلطان نے فرنگی فوج کی جانب برق رفتاری کے ساتھ پیش قدمی کرتے ہوئے انہیں ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ توپ خانے اور دیگر سامان حرب کے ہمراہ فوج کی اس قدر برق رفتار پیش قدمی کو اس دور میں ممکن نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اس دوران چھوٹی موٹی جھڑپیں ہوتی رہیں مگر کوئی قابل ذکر معرکہ سرانجام نہ دیا گیا۔ اس کے نتیجے میں

فرنگیوں کا گراں قدر جانی نقصان ہوا اور انہوں نے یہ محسوس کیا کہ جنوب کی جانب سے دروں کے ذریعے میسور پر حملہ آور ہونا مزید ممکن نہ تھا۔

ٹیپو سلطان نے اب اپنا مضبوط ترین حربہ آزمایا...... برق رفتار پیش قدمیاں......اس طرح فرنگی کیمپ میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ ایک موقع پر ٹیپو سلطان کی فوج نے 24 گھنٹوں میں 50 کلو میٹر پیش قدمی سرانجام دی حالانکہ ان کے ہمراہ سامان حرب اور توپ خانہ بھی تھا۔ یہ معمول کی پیش قدمی سے تین گنا تیز پیش قدمی تھی۔ اس طرح مخالف فریق کو بار بار اپنے نئے گروپ تشکیل دینا پڑتے تھے جسکی وجہ وسائل اور قوت خرچ ہوتی تھی۔ ٹیپو سلطان کسی بڑے معرکے سے گریز کرنا چاہتا تھا کیونکہ وہ فرنگیوں کے تربیت یافتہ فوجیوں کے مقابلے میں اپنی کامیابی کو مشکوک سمجھتا تھا۔

جبکہ جنوبی محاذ پر یہ سب کچھ وقوع پذیر ہو رہا تھا اس دوران ماہ ستمبر میں کلکتہ سے بھی فرنگی فوج پہنچ چکی تھی اور مشرقی میسور کی جانب پیش قدمی کر رہی تھی۔ ٹیپو سلطان نے اپنی کچھ فوج کو جنوب کے محاذ پر چھوڑا تا کہ فرنگی افواج پر نظر رکھ سکے اور بذات خود طوفانی پیش قدمی کرتے ہوئے مشرق کی جانب فرنگی علاقے کی جانب روانہ ہوا جو کرناٹک کے ساحل پر واقع تھا۔ اس کو اپنے اس عمل درآمد کے نتیجے میں یہ امید تھی کہ اس کے اس عمل درآمد کی بدولت فرنگی افواج مشرق کی جانب اپنے دفاع پر مجبور ہو جانے کے بجائے اس کے کہ میسور پر حملہ آور ہو۔ اس کی یہ چال کامیاب رہی۔ اس نے ایک دفاعی جنگ کو ایک جارحانہ جنگ میں تبدیل کر دیا تھا۔ فرنگی علاقوں میں واقع بہت سے شہر فتح کر لئے گئے لیکن ایک مرتبہ پھر کوئی بڑا معرکہ رونما ہوا۔

جنوری 1791ء کے آخر میں ٹیپو سلطان نے فرانسیسی علاقے پانڈی چری جانے کا فیصلہ کیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ فرانسیسیوں کو جنگ میں مداخلت کرنے پر آمادہ کر سکتا تھا۔ وہ فرانس میں رونما ہونے والے انقلاب فرانس سے بے خبر تھا۔ اس مرحلے پر فرانسیسی بذات خود بہت سے مسائل کا شکار تھے اور وہ ہندوستان کے کسی معاملے میں ملوث ہونے کے قابل نہ تھے۔ مزید برآں فرانسیسی کمانڈنٹ نے کارن ویلس کو یہ یقین دلایا تھا کہ کسی بھی متوقع جنگ کی صورت میں فرانس غیر جانبداری کا مظاہرہ کرے گا۔ لیکن اسکے باوجود بھی ٹیپو سلطان فرانسیسی شہر میں کئی ہفتوں تک مقیم رہا اور قیمتی وقت ضائع ہوتا رہا۔ ٹیپو سلطان کا خیال تھا کہ فرنگی میسور پر کبھی بھی حملہ آور نہ ہوں گے جبکہ وہ کرناٹک کے ساحل کو تاراج کر رہا تھا۔ فرنگیوں کے اتحادی مرہٹے اور حیدرآباد دشمنی اور عداوت کا آغاز کرنے میں سست روی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ انہوں نے جن فوجوں کا اجتماع کیا تھا وہ قابل غور حد تک مختصر تعداد کی حامل تھیں اور موسم خزاں کے دوران انہوں نے اپنی سرگرمیاں کو شمالی میسور میں واقع قلعوں کے طویل محاصروں تک ہی محدود رکھا۔

اس دوران مالابار کے ساحل کا محاذ میسوری افواج کے لئے ایک کٹھن محاذ ثابت ہونے لگا۔ بمبئی سے بھی فرنگی فوج کی آمد ہو چکی تھی اور اب جو لڑائی لڑی گئی اس نے فرنگی فوج کی برتری کو ثابت کر دیا۔ کالی کٹ کے نزدیک ایک بڑے معرکہ کے دوران میسوریوں کے 1,000 افراد ہلاک یا زخمی ہوئے جبکہ فرنگیوں کے محض 50 افراد اس جنگ میں کام آئے۔ اس شکست کی وجہ سے دفاع سرانجام دینے والوں (ٹیپو سلطان کی فوج) میں مایوسی پھیل گئی اور فرنگیوں کے لئے تمام تر مالابار کے ساحل پر قبضہ کرنا کوئی مسئلہ نہ رہا اور جنگی قیدیوں کی تعداد ہزاروں تک جا پہنچی۔

جنگ کے پہلے مرحلے کے نتائج کے مطابق ٹیپو سلطان مشرق اور جنوب کی جانب کامیابی سے ہمکنار ہوا تھا جبکہ مغرب کی جانب شکست

سے دوچار ہوا تھا۔ 1791ء کے آغاز میں اتحادیوں کے نئے کمانڈر انچیف کی بدولت برق رفتار تبدیلی دیکھنے میں آئی۔

……

کارن ویلس نے کمان سنبھال لی

دسمبر 1790ء میں کارن ویلس مدراس پہنچ چکا تھا۔ مدراس پہنچنے کے بعد اس نے یہ فیصلہ کیا اسے فرنگی افواج کی کمان بذات خود سنبھال لینی چاہئے۔ وہ موجودہ صورت حال سے عدم طمانیت کا شکار تھا۔ اس نے کہا کہ:

> ''ہم نے محض وقت ضائع کیا ہے اور ہمارے مقابل نے شہرت کمائی ہے اور یہ دونوں چیزیں جنگ میں گراں قدر اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔''

فرنگی فوجی دستوں کو دوبارہ مدراس بلوایا گیا اور فروری 1791ء تک فرنگی افواج کی تنظیم نو سرانجام دی گئی اور اس کے بعد انہوں نے میسور کی جانب اپنی پیش قدمی کا آغاز کیا۔ یہ ایک عظیم ترین اور اسلحے سے مکمل طور پر لیس فوج تھی اور اتنی بڑی تعداد اور اس قدر مسلح فوج کبھی بھی کمپنی نے کسی بھی ہندوستانی محاذ پر نہیں بھیجی تھی۔ یہ فوج 25,000 افراد کی نفری پر مشتمل تھی۔ اس تعداد میں 4000 یورپین بھی شامل تھے۔ اس طاقت ور فوجی قوت نے ٹیپو سلطان کو مجبور کیا کہ وہ واپس گھر کی جانب روانہ ہو اور اپنے مادر وطن کا دفاع سرانجام دے۔ اگر ٹیپو سلطان نے اپنی برق رفتار پیش قدمی سے شہرت کمائی تھی تو کارن ویلس نے بھی اپنے فوری اور غیر متوقع فیصلوں کی بدولت شہرت کمائی تھی۔ جب وہ اپنی فوج کے ہمراہ مدراس سے میسور کی جانب روانہ ہوا تب اس کے راستے میں کئی ایک درے پڑتے تھے اور اسے یہ فیصلہ کرنا تھا کہ وہ اپنی فوج کے ہمراہ کس درے میں سے گزرے۔ اس نے مختصر روٹ اپنانے کی بجائے...... اس درے سے گزرنے کی بجائے جہاں پر ٹیپو سلطان اس کا منتظر تھا...... اس نے زیادہ شمالی سڑک کا انتخاب کیا اگرچہ یہ سڑک ایک بدتر سڑک تھی اور درے کی چڑھائی بھی زیادہ مشکل نوعیت کی حامل تھی۔ چونکہ اس دور میں مواصلاتی نظام نہ ہونے کے برابر تھا لہٰذا ٹیپو سلطان کو کئی ہفتوں تک یہ خبر نہ ہو سکی کہ وہ کارن ویلس کو کہاں ڈھونڈ سکتا تھا۔ کارن ویلس کا یہ ارادہ تھا کہ وہ براہ راست بنگلور کی جانب بڑھے اور مابعد سرنگاپٹم کی جانب پیش قدمی جاری رکھے۔ دو ایسے شہر جن کا دفاع سرانجام نہ دیا گیا تھا وہ کسی لڑائی کے بغیر ہی فرنگیوں کے قبضے میں آ گئے اور ماہ مارچ کے آغاز میں کارن ویلس اور اس کی فوج نے بنگلور سے 15 کلومیٹر دور اپنے خیمے نصب کر لئے تھے۔ ٹیپو سلطان کا خیمہ ان کے خیموں سے محض چند کلومیٹر کی دوری پر واقع تھا اور ٹیپو سلطان اب ایک بڑے معرکے کے لئے تیار تھا۔ تاہم ٹیپو سلطان نے اپنے معمول کی تدابیر اختیار کیں...... اس کی افواج نے فرنگیوں کے سامان رسد اور سامان حرب پر حملے کئے اور بار بار حملے کئے اور مدراس سے سامان رسد کے ہمراہ آنے والے قافلوں کو انتہائی کامیابی کے ساتھ روکنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس طرح کارن ویلس کے لئے بے بہا مسائل پیدا ہو گئے اور وہ اپنی لاتعداد فوج کا پیٹ بھرنے سے قاصر دکھائی دینے لگا۔ کارن ویلس نے یہ محسوس کیا کہ اس کے حق میں یہ بہتر نہ ہوگا کہ وہ اپنی فوج کو فاقہ کشی میں مبتلا کرے اور ان قافلوں کا انتظار کرے جو اشیائے خورد و نوش کے ہمراہ ابھی تک نہ پہنچ پائے تھے...... لہٰذا اس نے براہ راست بنگلور پر حملہ کرنے کا فیصلہ

کیا۔ بنگلور میسور کے شہروں میں سے دوسرا بڑا شہر تھا اور اس شہر میں لاتعداد صنعتیں قائم تھیں...... فیکٹریاں قائم تھیں۔ بنگلور کا شہری حصہ بہترین منصوبہ بندی کا منہ بولتا ثبوت تھا اور خوبصورت گلیوں اور بازاروں کا حامل تھا۔ یہ شہر 1500ء سے ایک نیم دائرے کے شکل میں پتھروں سے تعمیر کردہ ایک قلعے کے اردگرد آباد تھا۔ اس قلعہ کی اونچی اونچی دیواریں تھیں۔ اور ان کی حفاظت کے لئے کئی توپیں نصب کی گئی تھیں۔ شہر کے اردگرد بھی دفاعی نکتہ نظر سے تحت ایک سادہ سی دیوار تعمیر کی گئی تھی۔ 7 مارچ کو کارن ویلس نے شہر پر دھاوا بولنے کے احکامات جاری کر دیئے اور اگرچہ شہر کا دفاع انتہائی دلیری اور بہادری کے ساتھ سرانجام دیا گیا لیکن شہر کی دفاع پر مامور فوج فرنگی فوج کی راہ میں مزاحم نہ ہو سکی۔ فرنگی توپ خانے کا بے دریغ استعمال کر رہے تھے اور انہوں نے مین گیٹ کو کئی ٹکڑوں میں تقسیم کر کے رکھ دیا تھا۔ جب دفاعی افواج نے قلعہ میں پناہ لے لی تب فرنگی افواج نے حسب معمول لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ انہوں نے دوکانوں اور مکانوں کو لوٹنا شروع کر دیا اور عورتوں کے ساتھ دست درازی پر اتر آئے۔ یہاں اشیائے خورد ونوش کے بڑے بڑے اسٹور بھی تھے۔ اب یہ اسٹور بھی مال غنیمت تھے۔ اس طرح کارن ویلس کے وہ مسائل بھی حل ہو گئے جو خوراک کی عدم دستیابی کی بنا پر اس کا درد سر بنے ہوئے تھے۔ فرنگیوں نے جس آسانی کے ساتھ شہر پر قبضہ جمایا تھا اس نے ٹیپو سلطان کو صدمے سے پاگل کر کے رکھ دیا۔ اس نے جوابی حملہ کیا تاکہ فرنگیوں کو شہر سے نکال باہر کرے لیکن ایک طویل اور خونی جنگ کے بعد اسے اپنے خیمے میں واپس لوٹنا پڑا۔ 300 سے زائد میسوری اور 130 سے زائد فرنگی زخمی حالت میں میدان جنگ میں ہی چھوڑ دیے گئے۔ فرنگیوں نے اب قلعے کا محاصرہ کر لیا تھا۔ توپ خانے کو سامنے لایا گیا اور کم فاصلے سے (200 میٹر) قلعے کی دیواروں پر لوہے کے گولے برسائے گئے۔

بارہ روز کی کاوش کے بعد قلعے کی دیوار میں اس قدر شگاف ممکن ہوا جس سے قلعے میں داخل ہونا ممکن تھا۔ وقت بہت تیزی کے ساتھ گزر رہا تھا۔ جو اشیائے خورد ونوش لوٹ مار کے دوران فرنگیوں کے ہاتھ لگی تھیں وہ اپنے اختتام کو پہنچ رہی تھیں اور روزانہ سینکڑوں بیل فاقہ کشی کی حالت میں ہلاک ہو رہے تھے۔ مزید برآں قلعے کا محاصرہ سرانجام دینے والی فرنگی فوج بذات خود ٹیپو سلطان کی اس فوج کے محاصرے میں آ چکی تھی جو کہ نزدیک ہی خیمہ زن تھی اور یہ فوج دن بہ دن فرنگی فوج کے لئے خطرہ بنتی چلی جا رہی تھی۔ فرنگی ایک ایسے غدار سے بھی روابطے میں تھے جو انہیں ٹیپو سلطان کے منصوبوں کی اطلاعات فراہم کرتا تھا۔ اس غدار کی وساطت سے جب کارن ویلس پر یہ انکشاف ہوا کہ ٹیپو سلطان ان پر دھاوا بولنے کی تیاری کر رہا تھا...... کارن ویلس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ پورے چاند کی روشنی میں فوری طور پر دشمن پر دھاوا بول دے۔ اس نے اس حملے کے منصوبے کو خفیہ رکھا۔ حتیٰ کہ اس نے اپنے معاونین کو بھی اپنے اس منصوبے سے آگاہ نہ کیا اور حملہ آور ہونے سے محض چند گھنٹے پیشتر ذمہ دار افسران کو یہ بتایا گیا کہ کیا کاروائی سرانجام دینی تھی۔ اور فرنگیوں نے دشمن پر اچانک دھاوا بول دیا۔

تاہم قلعے کی محافظ فوج نے بے انتہا مزاحمت کا مظاہرہ کیا اور رات کے اندھیرے میں ایک طویل اور پریشان کن جنگ لڑی گئی۔

ٹیپو سلطان نے جو کمک آگے روانہ کی وہ بہت دیر سے پہنچی اور جب معمر اور وفادار کمانڈر بہادر خان ہلاک ہو گیا تب میسوریوں کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ راہ فرار اختیار کر گئے۔ فتح کے نشے میں چور فرنگی فرار ہونے والوں پر حملے آور ہوتے رہے اور بہت بڑا قتل عام دیکھنے میں آیا۔ 1,000 سے زائد میسوری ہلاک ہوئے جبکہ فرنگیوں کے محض چند سو افراد ہلاک ہوئے۔

ٹیپو سلطان بے مزاحمت رہا

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ٹیپو سلطان کیوں بے مزاحمت رہا...... کیوں بے حرکت رہا...... وہ ان دس دنوں کے دوران (7 تا 18 مارچ) کیوں بے مزاحمت رہا جو بنگلور شہر کے ہاتھ سے نکل جانے اور قلعہ پر فرنگیوں کا دھاوا بولنے کے دوران ضائع ہوئے تھے۔ اس کی مین آرمی محفوظ تھی اور نئے فتح کیے گئے شہر میں انگریز ایک مشکل صورت حال سے دوچار تھے۔ چونکہ ٹیپو سلطان نے اس دوران کوئی کاروائی سرانجام نہ دی لہٰذا ہمیں یہی تاثر ملتا ہے کہ وہ کسی کاروائی کو سرانجام دینے سے ہچکچاتا تھا۔ مابعد لڑی جانے والی جنگ میں بھی اس نے اسی عمل درآمد کا مظاہرہ کیا تھا اور جس موقعہ پر جارحانہ کاروائی کی ضرورت درپیش تھی وہ ایسی کاروائی سرانجام سے قاصر رہا تھا۔ کیا وہ یہ سمجھتا تھا کہ فرنگی کے خلاف جنگ فضول تھی؟ یا پھر وہ یہ چاہتا تھا کہ بڑے بڑے معرکوں سے گریز کرتے ہوئے اپنے فوجیوں کی زندگیوں کو بچایا جائے اور اس نکتہ نظر کا حامل تھا کہ وہ حملہ آوروں کو ان کی فاقہ کشی سے ہلاک کرنے میں کامیاب ہو جائے گا؟

ہم نہیں جانتے کہ وہ اندرونی طور پر کن خیالات کا حامل تھا لیکن ہم یہ جانتے ہیں کہ اس کے کچھ جرنیل اس کی جنگی تدابیر سے اتفاق نہیں کرتے تھے۔

بنگلور کا ہاتھ سے نکل جانا ٹیپو سلطان کے لئے ایک شدید دھچکا تھا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بہادر خان کی ہلاکت پر وہ رویا بھی تھا۔ بنگلور کا ہاتھ سے نکل جانا ایک نفسیاتی اہمیت کا بھی حامل تھا۔ اس سے میسوریوں کا لڑنے کا جذبہ اور مورال دونوں متاثر ہوئے تھے اور بنگلور کے بعد ٹیپو سلطان کے کئی ایک قلعے بغیر کسی مزاحمت کے ہاتھ سے نکل چکے تھے۔

اس ظالمانہ قتل و غارت کے دوران تاہم بہادری اور جان بازی کے علاوہ اعلیٰ ظرفی کی مثالیں بھی منظر عام پر آئیں...... کارن ولیس نے بہادر خان کی لاش ٹیپو سلطان کے حوالے کرنے کی پیش کش بھی کی۔ کارن ولیس اس جرنیل کی بہادری کی بنا پر اس کی قدر کرتا تھا۔

بنگلور کے اردگرد جنگ کے آغاز میں فرنگیوں کے ایک گھوڑ سوار دستے کو بے بہا جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ ان کے 400 افراد ہلاک ہوئے اور 100 زخمی افراد جنگی قیدی بنا لیے گئے۔ جب جنگ اپنے اختتام کو پہنچی تب ٹیپو سلطان نے یہ حکم دیا کہ زخمی فرنگیوں کی مرہم پٹی کی جائے اور اس کے بعد اس نے زخمیوں کو فرنگی کیمپ کی جانب واپس بھیج دیا۔ ہر ایک زخمی کو کپڑے کا ایک ایک ٹکڑا اور ایک ایک روپیہ ادا کیا گیا۔

ٹیپو کا یہ حربہ کہ فرنگی افواج کو کسی بڑے معرکے میں ہلاک کرنے کی بجائے فاقہ کشی کے ہاتھوں ہلاک کیا جائے کامیابی کے انتہائی قریب ترین تھا۔ بنگلور فتح کرنے کے بعد کارن ولیس نے بذات خود ایک خط میں تحریر کیا کہ:

> ”میری فوج تھکاوٹ کا شکار تھی اور محاصرہ قائم رکھنے میں دشواری محسوس کر رہی تھی کیونکہ اس کا مقابلہ ایک فعال اور طاقت ور دشمن سے تھا اور ہم ناکامی سے دوچار ہونے کے قریب ہی تھے کہ اس دوران ہم نے قلعہ فتح کر لیا اور ہماری پریشانی دور ہو گئی“۔

……◆……

سرنگا پٹم کی جانب فرنگیوں کی پیش قدمی

بنگلور کے اردگرد جو واقعات رونما ہوئے وہ مارچ 1791ء میں رونما ہوئے تھے۔ کارن ویلس اب میسوری دارالخلافہ کی جانب پیش قدمی کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ وہ موسم برسات کے آغاز سے قبل اپنی پیش قدمی کو یقینی بنانا چاہتا تھا تا کہ موسم برسات کے آغاز کے بعد اس کی پیش قدمی کسی دشواری کا شکار نہ ہو۔ ایک قافلے کا بندوبست کرلیا گیا تھا جو فوج کے لئے اشیائے خوردونوش اور سامان رسد کا حامل تھا اور فوج کچھ عرصہ تک کے لئے کھانے پینے کی فکر سے آزاد ہو چکی تھی۔ حیدرآبادی فوج کی تلاش میں دو ہفتے ضائع ہو چکے تھے جو پروگرام کے مطابق پہنچ نہ پائی تھی۔ وہ افواج جو ہزاروں کی تعداد میں سپاہ پر مشتمل ہوتی تھی وہ ایک دوسرے کے ٹھکانوں اور احوال کے بارے میں جاننے کے لئے ہزاروں مشکلات کا شکار ہوتی تھی۔

4 مئی کو فوج نے حتمی پیش قدمی کا آغاز کیا۔ ایک مرتبہ پھر کارن ویلس نے براہ راست روٹ اختیار نہ کرتے ہوئے دشمن کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا کیونکہ اس براہ راست روٹ پر ٹیپو سلطان نے دفاع کا بندوبست بخوبی سرانجام دے رکھا تھا۔ میسوری گھوڑ سوار دستوں نے پیش قدمی کرتی ہوئی فرنگی فوج کو مستقل طور پر اپنے حملوں کا نشانہ بنائے رکھا اور ان کی پیش قدمی میں خلل کا باعث بنتے رہے۔ فرنگی افواج کی خوراک کا ذخیرہ بھی خاتمہ پذیر ہونا شروع ہو چکا تھا اور راستے میں پڑنے والے دیہات بھی جلا دیئے گئے تھے اور خوراک کے ذخیروں اور لوگوں سے خالی کر دیئے گئے تھے۔ اس کے علاوہ اچانک مون سون کی بارشیں بھی شروع ہو گئیں اور فرنگی فوج مزید دشواری کا شکار ہو گئی۔ ہزاروں کی تعداد میں بیل فاقہ کشی کی بدولت ہلاک ہو چکے تھے اور بہت سے سامان سے بھی دست بردار ہونا پڑا تھا اور سپاہیوں کے چاولوں کے راشن میں تخفیف کرتے ہوئے اس کی مقدار نصف کر دی گئی تھی۔

ان دشواریوں اور مشکلات کے باوجود بھی پیش قدمی جاری ہی اور نو روز کی پیش قدمی اور تقریباً 100 کلومیٹر فاصلہ طے کرنے کے بعد 13 مئی کو فرنگی فوج ایک ایسے مقام تک جا پہنچی جو سرنگا پٹم سے محض 15 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع تھا۔ فرنگی افواج نے اپنی پیش قدمی کے لئے جو غیر متوقع روٹ اختیار کیا تھا اس نے ٹیپو سلطان کو اس امر پر مجبور کیا کہ وہ اپنی افواج کے گروپوں کی تشکیل نو سرانجام دے لیکن وہ اب سرنگا پٹم سے تقریباً دس میل دور اپنی پوزیشنیں سنبھال چکے تھے اور اب فضا معرکہ آرائی کے لئے سازگار ہو چکی تھی۔

اب صورت حال ایک باقاعدہ جنگ میں تبدیل ہو چکی تھی اور طویل دورانیے تک یہ جنگ فیصلہ کن ثابت نہ ہو سکی تھی کیونکہ میسوری بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ اور انہوں نے ”کسی شیطان کو دریا کا پل عبور کرنے نہ دیا“۔ تاہم اس وقت صورت حال تبدیل ہو چکی تھی جب حیدرآباد کی کثیر تعداد کی حامل گھوڑ سوار فوج بھی فرنگیوں کی جانب سے لڑائی میں شامل ہو چکی تھی۔ اب میسوریوں نے دریا کے پار محفوظ قلعوں کی جانب پسپائی اختیار کرتا تھی۔ قلعہ کی جانب سے کی جانے والی گولہ باری نے فرنگی افواج کو پسپائی اختیار کرنے والی ٹیپو سلطان کی فوج کے تعاقب سے باز رکھا۔ اس گولہ باری کی وجہ سے 600 فرنگی مارے گئے یا زخمی ہوئے۔

کارن ویلس اب اپنے خیمے میں بیٹھا چار روز تک اپنے زخم چاٹتا رہا...... دیگر امور کے علاوہ ہلاک شدگان کو دفن بھی کرتا تھا۔ وہ یہ بھی محسوس کر رہا تھا کہ مرہٹوں کی فوج کی مدد کے بغیر کامیابی حاصل کرنا ممکن نہ تھا اور 20 مئی تک اسے اس فوج کے احوال کی کوئی خبر نہ تھی۔ ٹیپو سلطان کے گشتی گھوڑ سوار دستے ان قاصدوں کو بخوبی قابو کر لیتے تھے جن کو کارن ویلس روانہ کرتا تھا۔

……◆……

فرنگیوں کی پسپائی

فرنگی کیمپ اب ایک تکلیف دہ صورت حال کا منظر پیش کر رہا تھا۔ زخمی اور بیمار سپاہ کی تعداد ہزاروں میں تھی اور چارے وغیرہ کی عدم دستیابی کی بنا پر بیل وغیرہ بیماریوں کے حملے کی زد میں تھے اور کیمپ کئی ایک کلومیٹر پر محیط تھا وہ جانوروں کی لاشوں سے بھرا پڑا تھا اور کسی میں اتنی سکت نہ تھی کہ وہ ان لاشوں کو ٹھکانے لگاتا۔ دوسری طرف زوردار بارشیں بھی برس رہی تھیں اور زمین دلدل کا شکار ہو چکی تھی اور غذائی قلت کی بنا پر اکثر سپاہ مردہ جانوروں کے گوشت پر گزارا کر رہی تھی۔

کارن ویلس نے یہ فیصلہ کیا کہ واپس بنگلور کی جانب پسپائی اختیار کی جائے۔ تمام تر بھاری سامان جس میں توپ خانہ بھی شامل تھا تباہ کر دیا گیا اور اس سے دست برداری اختیار کر لی گئی۔ حیدر آباد کی فوج کے کمانڈر کے مشورے کے پیش نظر روانگی ایک دن کے لئے ملتوی کر دی گئی اور ایسا علم نجوم کی بنا پر کیا گیا۔

فرنگی فوج بیمار تھی...... حوصلہ ہاری ہوئی تھی...... بارشوں سے بھیگی ہوئی تھی...... میسوریوں کا ایسی فوج پر حملہ آور ہونا ایک آسان امر تھا۔ وہ فرنگی فوج کو اپنے حملے کا نشانہ بناتے ہوئے انہیں نیست و نابود کر سکتے تھے اور جنگ جیت سکتے تھے۔ لیکن اس مرتبہ بھی ٹیپو سلطان نے کوئی کارروائی سرانجام دینا مناسب نہ سمجھا اگرچہ اس کے جرنیلوں نے تھکی ماندی اور بیمار فرنگی فوج کے خلاف کارروائی سرانجام دینے کے لئے انتہائی اصرار بھی کیا۔ لیکن ٹیپو سلطان نے فرنگی فوج کو رخصت ہونے دیا اور اس کے خلاف کسی قسم کی کارروائی کی اجازت نہ دی۔

تاہم یہ فوج کسی مجوزہ حملے کے خدشے سے نا آشنا تھی اور جب وہ 1000 کلومیٹر کی دوری تک جا پہنچی تو ایسا دکھائی دیتا تھا کہ اب ان کا خاتمہ قریب تھا کیونکہ ایک بڑا گھوڑ سوار دستہ ان سے کچھ فاصلے پر نمودار ہوا اور انہوں نے سمجھا کہ یہ میسوریوں کا گھوڑ سوار دستہ تھا۔ لہٰذا انہوں نے بھی دفاعی پوزیشن اختیار کی اور ان کی بے چینی اور تشویش اس وقت رخصت ہوئی جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ یہ میسوریوں کا گھوڑ سوار دستہ نہ تھا بلکہ مرہٹہ فوج کی ایڈوانس گارڈ تھی۔ اب ان کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔ پورے فرنگی کیمپ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی کیونکہ ان کے مرہٹہ اتحادی سامان رسد اور تازہ دم فوجی دستوں کے ہمراہ پہنچ چکے تھے۔

لیکن مفت کچھ بھی نہ تھا!

مرہٹوں نے اب اپنے بازار سجا لئے تھے اور خوراک اور دیگر تمام تر اشیاء برائے فروخت موجود تھیں اور مارکیٹ کی قیمت پر دستیاب تھیں اور مرہٹہ کی افواج میں شامل تاجر حضرات خوشی سے دیوانے ہو رہے تھے کیونکہ انہیں کئی ایک بھوکے گاہک دستیاب تھے۔

یہ بات بڑے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ کارن ویلس ایک بدقسمت شخص واقع ہوا تھا۔ اگر مرہٹے محض دوروز پہلے پہنچ جاتے تب سرنگاپٹم پر حملے کو تقویت میسر آئی تھی اور 1791ء میں ہی جنگ نتیجہ خیز ثابت ہوئی تھی۔

لیکن اب دوبارہ حملہ ناممکن تھا لہٰذا وہ آہستہ آہستہ پیش قدمی کرتے ہوئے 11 جولائی کو بنگلور پہنچ چکے تھے۔ حیدرآباد اور مرہٹے اب یہ چاہتے تھے کہ سرنگاپٹم پر تازہ حملہ کیا جائے۔ تاہم کارن ویلس اس نکتہ نظر کا حامل تھا کہ انہیں اگلے سیزن تک انتظار کرنا چاہئے اور اس دوران اپنی طاقت میں اضافہ کرنا چاہئے۔

فرنگی فوج اب مون سون کے خاتمے اور خشک موسم کے آغاز کے انتظار میں تھی جبکہ مرہٹہ اور حیدرآباد کے فوجی دستوں نے بھی اپنی اپنی ریاستوں کی راہ لی اور اگلے سیزن میں واپسی کا وعدہ کیا۔

◆

جنگ کا دوسرا مرحلہ (1791ء تا 1792ء)

مون سون کا یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ فرنگی فوج ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہی۔ اگلے سیزن کے آنے تک اہم ترین کام بنگلور اور ساحل کے درمیان روابط کی حفاظت سرانجام دینا تھا۔ کرناٹک کے ساحل پر واقع میسوریوں کے ان قلعوں کو حملوں کا نشانہ بنایا گیا جو دروں تک رسائی حاصل کرنے کے ذرائع کی نگرانی سرانجام دیتے تھے اور مختصر محاصروں کے بعد ان میں بہت سے قلعوں کو فتح کرلیا گیا اور ان مفتوحہ قلعوں میں اب فرنگی محافظ فوجی دستے تعینات کردیے گئے تھے۔ اب نئی رابطہ لائن محفوظ بنالی گئی تھی اور اس کا محفوظ پن اس وقت ثابت ہوچکا تھا جبکہ چند ہفتوں بعد ایک بڑا قافلہ بنگلور آن پہنچا تھا۔ یہ قافلہ سامان رسد سے لدا ہوا تھا اس قافلے میں 100 ہاتھی شامل تھے اور ہر ایک ہاتھی پر اتنا بوجھ لدا ہوا تھا جتنا بوجھ چھ عدد بیلوں پر لادنا ممکن ہوتا تھا۔

1791ء کے موسم خزاں کے دوران تمام اقسام کا سامان رسد مدراس میں ذخیرہ کرلیا گیا تھا۔ بے پناہ خوراک...... ہتھیار...... اسلحہ وغیرہ ذخیرہ کرلیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ بنگال اور یورپ سے تازہ دم فوجی دستے بھی آن پہنچے تھے جو نئے توپ خانے سے بھی مسلح تھے اور یہ سب کچھ بنگلور میں واقع فرنگی کیمپ میں ذخیرہ کرلیا گیا تھا۔

◆

سوینڈ روگ...... موت کی چٹان

میسور بڑی بڑی چٹانوں کا حامل ایک علاقہ ہے۔ ان چٹانوں کی عام اونچائی 300 تا 500 میٹر ہے۔ عام طور پر یہ کھڑی چٹانیں ہیں ماسوائے ایک پہلو اور اس پہلو محافظ فوج اندر داخل ہوسکتی تھی اور باہر نکل سکتی تھی۔ قابل رسائی پہلو مضبوط دفاع کا حامل تھا۔ چٹانوں کی یہ بناوٹ بطور قلعہ استعمال کی جاتی تھی۔ ان چٹانوں کی چوٹی سے دشمن کا بخوبی مشاہدہ کیا جاسکتا تھا اور اس کی نقل و حرکت بخوبی دیکھی جاسکتی تھی۔ ایسے

قلعے ناقابل تسخیر سمجھے جاتے تھے۔

سوینڈروگ جس کی داستان اب پیش کی جائے گی...... مرہٹوں نے ایک موقع پر تین برس تک اس کا محاصرہ کیے رکھا تھا۔ یہ چٹان 500 میٹر بلندی کی حامل تھی...... یہ دوچوٹیوں کی بھی حامل تھی اور اس کی دونوں چوٹیوں پر دفاعی انتظامات کیے گئے تھے۔

ڈھلوان کی جانب جہاں سے چٹان تک رسائی حاصل کرنا ممکن تھا...... تین متوازی دفاعی دیواریں تعمیر کی گئی تھیں۔ اس طرح اس چٹان تک دشمن کی رسائی انتہائی مشکل تھی۔ یہ چٹان بنگلور سے 28 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع تھی اور یہ چٹان بنگلور اور سرنگاپٹم کے درمیان واقع تھی۔

یہ چٹان فرنگیوں کے لئے ایک بہت بڑی رکاوٹ تھی کیونکہ سامان رسد کی سپلائی کو قلعے سے گولہ باری کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔ اس قلعے میں تقریباً 1,500 افراد کی نفری موجود تھی۔ پرائیویٹ تاجر جو فرنگی کیمپ کو اشیائے خوردوش مہیا کرتے تھے۔ انہوں نے بھی ایسا کرنے سے انکار کردیا تھا۔ یہ تاجر مالابار ساحل سے سامان رسد مہیا کرتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ جب تک ان کو قلعہ سے گولہ باری کا نشانہ بنانا بند نہ کیا جائے گا اس وقت تک وہ اپنا کاروبار جاری نہ رکھ سکتے تھے۔ مالابار سے سامان رسد اور اشیائے خوردونوش سے لدا ہوا قافلہ قلعے کی گولہ باری کا نشانہ بن سکتا تھا۔

فرنگیوں نے تین ماہ کے محاصرے کے بعد ایک اور قلعہ فتح کرلیا تھا۔ ان کے اس عمل درآمد نے ان کے حوصلے بڑھا دیے تھے۔ لہٰذا فرنگیوں نے سوینڈروگ کا بھی محاصرہ کرنے کا فیصلہ کیا۔

جب ٹیپو کو یہ اطلاع ملی کہ فرنگی اس قلعے کا بھی محاصرہ کررہے تھے تو وہ بہت خوش ہوا اور اس نے کہا کہ:

> ”محاصرہ کرنے والوں کی نصف تعداد بیماری سے ہلاک ہوجائے گی اور باقی لوگوں کو ہم اس وقت ہلاک کردیں گیا جب وہ قلعے پر دھاوا بولنے کی کوشش کریں گے“۔

ٹیپو سلطان کو اس بات کا پختہ یقین تھا کہ وہ قلعہ ناقابل تسخیر تھا۔

انتہائی سوچ بچار کے بعد بالآخر 10 دسمبر کو فرنگی کمانڈر نے یہ فیصلہ کیا کہ توپ خانے کو ایسی جگہ منتقل کیا جائے جو دفاعی دیواروں سے مناسب فاصلے پر ہو اور جہاں سے ان دیواروں کو نشانہ بنانا ممکن ہو۔ فرنگی سپاہ اس کٹھن فریضے کو سرانجام دینے میں مصروف ہوگئی۔

تاہم قلعے کی محافظ فوج اس امر پر پختہ یقین رکھتی تھی کہ ان کا قلعہ ناقابل تسخیر تھا اور انہوں نے اپنے حملہ آوروں پر کبھی کبھار گولہ باری اور فائرنگ بھی جاری رکھی۔

دو روز کی ان تھک محنت کے بعد فرنگی اپنی دو توپوں کو مناسب مقام تک پہنچانے میں کامیاب ہوگئے۔ ایک توپ دفاعی دیوار سے 1000 میٹر کے فاصلے پر نصب کی گئی جبکہ دوسری توپ دفاعی دیوار سے 700 میٹر کے فاصلے پر نصب کی گئی۔ اب وہ ان توپوں سے گولہ باری کرنے کی پوزیشن میں تھے۔ تاہم دیواریں ٹھوس تھیں اور گولہ باری کا اثر محدود تھا۔ محاصرہ سرانجام دینے والوں کو اپنی ایک توپ دفاعی دیوار سے محض 250 میٹر کے فاصلے پر نصب کرنے کی ضرورت درپیش تھی تاکہ اس دیوار میں شگاف ڈالنا ممکن ہوسکے۔ قلعے پر دھاوا بولنے کے لئے 21 دسمبر کا دن مقرر کیا گیا۔ بانسوں کے جنگل کے تحفظ تلے اب حملہ آور پیش قدمی کرسکتے تھے۔

11 بجے توپ کے گولے داغے گئے۔ یہ قلعے پر دھاوا بولنے کا سگنل تھا اور حملہ آور اپنی کمین گاہوں سے نکل کر قلعے کی جانب بھاگے۔ ان کی سنگینیں چمک رہی تھیں۔ دیوار میں جس جگہ شگاف ڈالا گیا تھا اس جگہ پر صبح سویرے ہی قلعے کا دفاع سرانجام دینے والی سپاہ کی ایک معقول تعداد جمع ہو چکی تھی۔ لیکن فرنگی فوج دلیرانہ انداز میں اس شگاف کی جانب بڑھ رہی تھی۔ ان کے اس عمل درآمد کی وجہ سے قلعے کا دفاع سرانجام دینے والی سپاہ خوف وہراس اور دہشت کا شکار ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ اس دوران فرنگی قلعے کے دروازے تک پہنچ چکے تھے اور کسی مشکل کا سامنا کیے بغیر قلعے کے اندرونی برآمدے میں داخل ہو سکتے تھے۔

قلعے کے دروازے پر خون ریز جنگ لڑی گئی اور قلعے کے دفاع پر مامور کئی ایک سپاہ اس لڑائی میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ ایک گھنٹے سے بھی کم مدت کے دوران یہ ناقابل تسخیر قلعہ فتح کر لیا گیا تھا۔ اس دور کی جنگ کی تاریخ کا یہ ایک عظیم کارنامہ تھا۔

یہ واقعہ ٹیپو سلطان کے لئے ایک نیا صدمہ تھا اور میسوریوں پر اس واقعہ نے گہرا نفسیاتی اثر ڈالا۔ یہ اثر کہیں بڑھ کر تھا۔ وہ سوچ رہے تھے کہ وہ سویندروگ جیسے ناقابل تسخیر قلعے کا دفاع سرانجام دینے سے قاصر رہے تھے تو وہ کسی اور محاذ پر فرنگیوں کے ساتھ کس طرح جنگ لڑ سکتے تھے ؟ یہ ایک ایسا سوال تھا جو ان کے ذہنوں میں گردش کر رہا تھا۔ اس واقعہ کے بعد میسور کی دفاعی افواج میں بے چینی اور کسی قدر بغاوت کے آثار بھی نمایاں ہوئے۔

سویندروگ کے بعد بنگلور اور سرنگاپٹم کے درمیان کئی ایک مزید قلعے بھی فرنگی فوج نے معمولی مزاحمت کا سامنا کرتے ہوئے فتح کر لئے۔ اس طرح فرنگیوں کو اپنے اتحادیوں میں مزید قدر و منزلت حاصل ہو گئی۔

◆

فرنگیوں کی دوسری کوشش

جنوری 1792ء میں سرنگاپٹم پر دوسرے حملے کی فرنگی تیاریاں اپنے عروج پر تھیں اور 26 تاریخ کو فرنگی فوج نے اپنی پیش قدمی کا آغاز کر دیا۔ ان فوجی دستوں کو نئی وردیاں مہیا کی گئی تھیں اور اس کے ساتھ ساتھ نئے ہتھیار بھی مہیا کیے گئے تھے اور اس مرتبہ ان کو خوراک کی قلت کا بھی سامنا نہ تھا۔ کارن ولیس نے 27 تاریخ کو اپنے فوجی دستوں کا معائنہ کیا اور اس نے اس معائنے کے دوران جو کچھ دیکھا اس سے از حد خوش ہوا۔ اب وہ 22,000 افراد کی نفری پر مشتمل فوج جمع کر چکا تھا اور اس فوج میں 6,000 انگریز بھی شامل تھے اور باقی سپاہ تھی۔ حیدرآباد نے بھی 18,000 افراد کی نفری پر مشتمل فوج مہیا کی تھی جبکہ مرہٹے بھی 12,000 افراد کی نفری پر مشتمل فوج کے ہمراہ موجود تھے۔ اس طرح یہ ایک معقول فوج تھی۔ اب اس فوج نے میسور کے دارالحکومت کی جانب پیش قدمی کا آغاز کر دیا تھا۔ اس دوران فرنگیوں کی نام نہاد بمبئی فوج بھی مغرب کی جانب سے پہنچ رہی تھی۔ یہ فوج 6,000 افراد کی نفری پر مشتمل تھی۔ ٹیپو سلطان بھی فوجی قوت کے لحاظ سے فرنگیوں سے کم تر ہرگز نہ تھا۔ اس کی فوج 40,000 پیدل سپاہ اور 5,000 گھوڑ سواروں پر مشتمل تھی۔ وہ 100 توپوں کے ساتھ میدان جنگ میں اترا تھا۔ اور اس کی 300 توپیں اس کے

قلعوں پر نصب تھیں۔

اس مرتبہ ٹیپو کی پرانی تدبیر کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکی…… اس نے سوچا کہ گذشتہ برس کی طرح وہ فرنگی فوج کو فاقہ کشی کا شکار کرتے ہوئے اسے تباہی کے دھانے تک پہنچا دے گا اور اس کے علاوہ اسے سرنگاپٹم کے دفاع کو ناقابل تسخیر ہونے کا بھی پختہ یقین تھا۔ لہٰذا وہ فرنگی افواج کی پیش قدمی کے دوران ان پر جنگ مسلط کرنے سے باز رہا اور فرنگی فوج کسی مزاحمت کا سامنا کیے بغیر ہی پیش قدمی کرتی رہی۔ ٹیپو سلطان اس نکتہ نظر کا بھی حامل تھا کہ بمبئی کی فوج کے پہنچنے سے قبل فرنگی فوج حملہ آور نہیں ہوگی اور اس فوج کو پہنچنے کے لئے چند ہفتے درکار تھے۔ ٹیپو سلطان کا نکتہ نظر غلط نہ تھا۔ سرنگاپٹم ایک ایسے جزیرے پر واقع تھا جس کے اطراف دریا میں گھرے ہوئے تھے اور یہ دریا ایک قدرتی خندق یا کھائی کا کام سرانجام دیتا تھا۔ مزید برآں اس شہر کا حفاظتی قلعہ موٹی دیواروں میں گھرا ہوا تھا اور ان کے درمیان دوہری خندق یا کھائی موجود تھی۔ ٹیپو سلطان اس جزیرے کے شمال میں ایک مضبوط دفاعی پوزیشن اختیار کر سکتا تھا۔

لہٰذا اتحادیوں کی فوج نے کسی مزاحمت کا سامنا کیے بغیر اپنی پیش قدمی جاری رکھی اور ایک ایسے مقام تک جا پہنچی جو شہر کے حفاظتی قلعے سے محض 6 کلومیٹر دور تھا۔ 6 تاریخ کی صبح کارن ولیس نے صورت حال کا معائنہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ دن کی روشنی میں ٹیپو سلطان پر حملہ آور ہونا مناسب نہ تھا۔ اس دوپہر فرنگی ہیڈکوارٹر میں وار کونسل کا اجلاس منعقد ہوا اور اس اجلاس کے بعد کارن ولیس نے حملہ آور ہونے کے احکامات جاری کر دیے۔ اس کے اس عمل درآمد کی بدولت ہر کوئی حیرانگی سے دوچار ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اسی رات میسوریوں کے کیمپ پر 8,700 افراد کی نفری کے ساتھ حملہ کیا گیا اور یہ حملہ تین مختلف سمتوں سے کیا گیا۔ اس حملے کے دوران توپ خانہ استعمال نہ کیا گیا اور یہ لڑائی پورے چاند کی روشنی میں بندوقوں اور سنگینوں کے ساتھ لڑی گئی۔

فرنگیوں نے حیران کن اور غیر متوقع تدابیر اختیار کیں۔ وہ رات ساڑھے آٹھ بجے میسوریوں پر حملہ آور ہوئے اور میسوری بے خبری میں مارے گئے۔ اس حملے میں کارن ولیس بذات خود بھی موجود تھا۔ پیشتر اس کے کہ میسوریوں کو اپنے دفاع کو منظم کرنے کا وقت ملتا۔ کارن ولیس کا فوجی دستہ دشمن کے کیمپ سے گزرتا ہوا دریا کے کنارے تک جا پہنچا اور یہ لوگ دریا عبور کرنے کے قابل تھے کیونکہ سال کے اس دورانیے کے دوران دریا کے پانی کی سطح نیچی تھی۔ جلد ہی حملہ آور قلعے کے دروازے کے نزدیک جا پہنچے اور میسوریوں کو قلعے کا دروازہ بند کرنے کی مہلت بھی نہ ملی۔

دائیں جانب سے حملہ آور ہونے والا فرنگی فوجی دستہ قلعے کے اندرونی حصوں میں سے ایک حصے پر حملہ آور ہوا اور اسے ایک طویل اور خونی جنگ لڑنی پڑی۔ اس لڑائی کے دوران 80 فرنگی اور 400 میسوری ہلاک ہوئے۔ پیشتر اس کے کہ قلعے کے اس اندرونی حصے پر فرنگیوں کا قبضہ ہوتا۔ منصوبے کے مطابق اب اس فوجی دستے نے دریا کی جانب پیش قدمی سرانجام دینا تھی۔ تاہم رات کے اندھیرے میں چاولوں کے کھیتوں میں وہ اپنے راستے سے بھٹک گئے۔

اس لڑائی میں ٹیپو سلطان نے بذات خود کوئی فعال کردار ادا نہ کیا۔ اس نے ساری لڑائی میں بذات خود فعال حصہ نہ لیا۔ وہ اس وقت اپنے رات کے کھانے سے لطف اندوز ہو رہا تھا جب اسے فرنگیوں کے حملے اطلاع موصول ہوئی۔ پہلے پہل وہ اپنے آدمیوں کو دفاع پر مامور کرنا چاہتا تھا

لیکن جلد ہی اسے یہ احساس ہو چکا تھا کہ بہت زیادہ دیر ہو چکی تھی کیونکہ فرنگی فوجی دستہ پہلے ہی دریا کے کنارے پر پہنچنے میں کامیاب ہو چکا تھا لہٰذا اس نے بذات خود دریا عبور کرنے اور قلعے میں پناہ حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ بچ نکلنے کا ایک نازک انداز تھا۔ جوں ہی وہ قلعے کے دروازے پر پہنچا تو ہی یہ دروازہ حملہ آوروں کے پیش نظر بند ہونے کے قریب تھا۔

دن ڈھلنے تک فرنگیوں کی قابل غور حد تک فوجی نفری جزیرے پر پہنچ چکی تھی۔ میسوریوں کی ایک بڑی تعداد ہلاکت کا شکار ہوئی اور زخمی بھی ہوئی۔ اب میسوریوں کی بہت سی سپاہ راہ فرار بھی اختیار کر گئی۔ مثال کے طور پر کورگ کے لوگ جنہیں جبری طور پر فوج میں بھرتی کیا گیا تھا وہ رات کے اندھیرے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی فیملیوں کے ہمراہ راہ فرار اختیار کر چکے تھے اور سینکڑوں یورپی ٹیکنیشین (ان میں سے زیادہ تر فرانسیسی تھے) بھی اب راہ فرار اختیار کرنا چاہتے تھے کیونکہ وہ بھانپ چکے تھے کہ اب ان کا جہاز ڈوبنے کے قریب تھا۔ انہوں نے اپنے آپ کو فرنگیوں کے حوالے کر دیا۔

دوپہر سے قبل مختلف فرنگی فوجی دستے جو رات کے اندھیرے میں جزیرے میں پہنچ چکے تھے وہ آپس میں اکٹھے ہونا شروع ہوئے اور اپنی پوزیشن مستحکم بنانے لگے۔ میسوریوں نے انہیں دریا کے پار دھکیلنے کی ایک کوشش سرانجام دی جو ناکامی سے دوچار ہوئی۔

دوران دن ٹیپو سلطان نے بھی ایک جوابی حملہ کیا۔ یہ حملہ اس نے قلعے کے اس اندرونی حصے پر کیا جو دریا کے شمال کی جانب واقع تھا اور فرنگی اس پر اپنا قبضہ جما چکے تھے۔ قلعے کے اس حصے کے دفاع میں 150 فرنگی سپاہ نے حصہ لیا اور وہ تمام دن حملہ آوروں کے حملے بخوبی روکتی رہی۔ سہ پہر چار بجے ٹیپو سلطان نے اپنی تمام تر فوج کو حکم دیا کہ وہ واپس جزیرے کی جانب روانہ ہو جائے۔

اب صورت حال قلعے کے محاصرے کی صورت حال اختیار کر چکی تھی اور حملہ آوروں نے رسائی کے تمام دروازے بند کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی……انہوں نے توپ خانہ بھی نصب کر لیا تھا۔ وہ اپنا اسلحہ بھی نزدیک تر لے آئے تھے اور انہوں نے قلعے تک رسائی حاصل کرنے کی غرض سے کھدائی کرنی شروع کر دی تھی (خندقیں کھودنا شروع کر دی تھیں تاکہ تحفظ کے سایے تلے قلعے کی دیواروں کے نزدیک تر پہنچنا ممکن ہو سکے)۔

16 فروری کو ممبئی کی فوج بھی پہنچ چکی تھی۔ یہ فوج 6,000 افراد کی نفری پر مشتمل تھی اور ٹیپو سلطان کی فتح کی امید ماند پڑ چکی تھی۔

سرنگاپٹم کا معاہدہ امن

فرنگیوں کی فوج کی سرنگاپٹم کی جانب پیش قدمی سے پیشتر جنوری 1792ء کے آغاز میں ٹیپو سلطان نے کارن ویلس کو ایک پیغام ارسال کیا تھا جس میں یہ درخواست کی گئی تھی کہ اسے یہ اجازت فراہم کی جائے کہ وہ گفت وشنید کی غرض سے اپنا ایک ''وکیل'' اس کی جانب روانہ کرے۔ کارن ویلس نے اپنے اتحادیوں کے ساتھ صلاح مشورہ کرنے کے بعد یہ جواب دیا کہ ''وکیل'' کو اسی صورت حال میں خوش آمدید کہا جائے گا جبکہ اس کے ہمراہ کرنل چالمرز اور دیگر جنگ قیدی بھی ہوں گے جو گذشتہ برس کے معرکے کے دوران جنگی قیدی بنائے گئے تھے۔ کارن ویلس اس نکتہ نظر کا حامل تھا کہ ٹیپو سلطان نے ان کی اطاعت قبول کرنے کی شرائط کی خلاف ورزی کرتے ہوئے قلعے کی محافظ فوج کو جنگی قیدی بنا رکھا تھا۔ تاہم ٹیپو سلطان نے اپنے اقدام کا دفاع سرانجام دیا اور جنگی قیدیوں کو آزاد کرنے سے انکار کر دیا۔ لہٰذا اس گفت وشنید کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

8 فروری 1792ء کو جب فرنگیوں نے کثیر تعداد کی حامل فوج کے ساتھ سرنگاپٹم پر چڑھائی کی تب ٹیپو سلطان نے یہ محسوس کیا کہ فتح اس کی دسترس سے باہر تھی۔ لہٰذا اس نے قید خانے سے جنگی قیدی کرنل چالمرز کو طلب کیا اور اس سے دریافت کیا کہ کیا وہ بطور ایک قاصد کارن ویلس کی جانب روانہ ہونے کو تیار تھا۔ اس نے اس شرط پر اس ذمہ داری کو قبول کرنے کا وعدہ کیا کہ وہ اپنے ساتھی جنگی قیدیوں کو بھی آزاد کرواتے ہوئے اپنے ہمراہ لے جائے گا۔ لہٰذا آزاد کردہ جنگی قیدیوں کا یہ گروپ ٹیپو سلطان کی جانب سے امن بات چیت کے پیغام کے ہمراہ کارن ویلس کے پاس آن پہنچا۔ اگرچہ کارن ویلس ناخوش تھا کیونکہ تمام تر جنگی قیدی رہا نہیں کئے گئے تھے لیکن اس کے باوجود بھی اس نے گفت وشنید کے آغاز کی حامی بھر لی۔

پانچ روز بعد گفت وشنید کے ایک طویل عمل کا آغاز ہوا اور ایک ماہ بعد اس بات چیت کے نتیجے میں سرنگاپٹم کا معاہدہ امن وجود میں آیا۔

* * *

معاہدہ امن کی شرائط

کارن ویلس نے سرنگاپٹم کے معاہدہ امن کیلئے کڑی شرائط کا مطالبہ کیا جو درج ذیل تھیں:۔

(1) ٹیپو سلطان ایسے اضلاع فرنگیوں کے حوالے کرے گا جن کی آمدنی 30 ملین روپے سالانہ ہو گی۔

(2) ٹیپو سلطان کو 80 ملین روپے بطور تاوان جنگ ادا کرنا ہوں گے۔

(3) تمام تر فرنگی جنگی قیدی رہا کرنا ہوں گے۔

(4) ٹیپو سلطان کے دو بیٹے فرنگیوں کے یرغمالی بنائے جائیں گے تاکہ فرنگیوں کو تاوان جنگ کی ادائیگی کے ضمن میں ضمانت میسر آ سکے۔

فرنگی اپنی شرائط پر ڈٹے ہوئے تھے اور کسی قسم کی کوئی بھی رعایت دینے پر آمادہ نہ تھے۔ لیکن ٹیپو سلطان کے ''وکیلوں'' نے کسی نہ کسی طرح یہ بندوبست سرانجام دیا کہ تاوان کی رقم میں کمی کرواتے ہوئے اسے 33 ملین روپے کی حد تک لانے میں کامیاب ہو گئے جس میں 16,65,000 روپے کی رقم فوری طور پر نقد ادا کرنا تھی اور بقایا رقم سہ ماہی اقساط کے تحت واجب الادا تھی۔

ٹیپو سلطان نے معاہدہ امن کی شرائط تسلیم کر لیں

17 فروری کو ٹیپو سلطان نے جنگی کونسل کا ایک اجلاس طلب کیا۔ اس اجلاس میں اس کے وزراء نے بھی شرکت کی۔ یہ اجلاس سرنگاپٹم کی مسجد میں منعقد ہوا۔ یہ ایک غمگین نوعیت کا حامل اجلاس تھا مگر اس اجلاس میں اس امر کو تسلیم کیا گیا کہ میسوری افواج دل شکستہ اور دلبرداشتہ تھیں اور ان پر مزید بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لہٰذا جنگ جاری رکھنا ایک فضول امر تھا۔ اس اجلاس میں کافی لے دے ہوتی رہی مگر اس اجلاس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ معاہدہ امن کی شرائط کو تسلیم کر لینا چاہیئے۔

لہٰذا اگلے روز سے فریقین نے ایک دوسرے کے خلاف اپنی کاروائیاں بند کر دیں اور ابتدائی معاہدہ امن پر دستخط ثبت کر دیے گئے اور اس معاہدے کو 26 فروری کو فرنگیوں کے حوالے کر دیا گیا۔ تاہم یرغمالی فرنگیوں کے حوالے کرنے میں دو روز کی تاخیر ہوئی۔ بالآخر یہ یرغمالی بھی فرنگیوں کے حوالے کر دیے گئے۔ یہ ٹیپو سلطان کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام عبدالخالق تھا اور اس کی عمر آٹھ برس تھی اور دوسرے کا نام معیز الدین تھا اور اس کی عمر پانچ برس تھی۔ ٹیپو سلطان کو یہ فکر لاحق تھی کہ اس کے بیٹوں کے ساتھ ناروا سلوک روا رکھا جائے گا۔

* * *

یرغمالیوں کو فرنگیوں کے حوالے کرنے کی تقریب

یرغمالی لڑکے ایک باضابطہ تقریب میں فاتحین کے حوالے کیے گئے۔ ان کے لیے ایک خصوصی خیمہ نصب کیا گیا تھا۔ یہ خیمہ قلعے اور فرنگی کیمپ کے درمیان نصب کیا گیا تھا اور قلعے سے دونوں لڑکوں کی روانگی کو ان کا باپ قلعے کی فصیل سے دیکھ رہا تھا۔ دونوں شہزادوں کو ایک جلوس کی شکل میں فرنگی کیمپ تک لایا گیا۔

کارن ویلس کے خیمے میں پہنچنے پر بنگالی سپاہوں پر مشتمل ایک بٹالین نے گارڈ آف آنرز پیش کیا اور 21 توپوں کی سلامی دی۔ کارن ویلس نے بذات خود دروازے پر دونوں لڑکوں کا استقبال کیا اور ان سے مصافحہ بھی کیا۔ وہ لڑکوں کی ذہانت سے ازحد متاثر ہوا۔ لڑکوں کو انتہائی احتیاط کے ساتھ اس مقام تک لایا گیا تھا۔ انہوں نے اسلامی طرز کا لباس زیب تن کر رکھا تھا اور ان کی پگڑیوں میں ہیرے جواہرات چمک رہے تھے۔ کارن ویلس نے بھی ان لڑکوں کے ساتھ پدرانہ شفقت کا اظہار کیا اور دونوں لڑکوں کو سونے کی ایک ایک گھڑی بطور تحفہ پیش کی۔ لڑکے اس کے اس عمل درآمد سے ازحد خوش ہوئے۔ اس کے بعد مٹھائی تقسیم کی گئی۔ اس کے بعد دونوں لڑکے اپنے ہاتھیوں پر سوار ہوئے اور اپنے خیمے کی جانب روانہ ہوئے۔

اگلے روز تحائف کا تبادلہ ہوا۔ کارن ویلس کو ایک ایسی تلوار پیش کی گئی جس میں ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔

مابعد دونوں لڑکوں کو مدراس لایا گیا۔ ان کے ساتھ شہزادوں جیسا سلوک روا رکھا گیا۔ ان کو بہترین رہائش فراہم کی گئی اور ان پر دو میسوری اور ایک فرنگی نگران مامور کیا گیا۔ دو برس سے زائد عرصہ تک یرغمالی بنائے رکھنے کے بعد بالآخر 29 مئی 1794ء کو دونوں لڑکوں کو واپس ان کے والد

کے پاس لایا گیا۔ اس وقت تک ٹیپو سلطان تاوان جنگ ادا کر چکا تھا۔ حیدر آباد کے نظام نے فرنگیوں کو یہ مشورہ دیا کہ ٹیپو سلطان سے مزید فوائد کے حصول کی خاطر اس کے لڑکوں کو مزید یرغمال بنانے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن فرنگیوں نے اس کی اس تجویز کے ساتھ اتفاق نہ کیا اور مرہٹوں نے بھی اس کی اس تجویز کے ساتھ اتفاق نہ کیا جو کہ یرغمال بنائے جانے کے اصول کے خلاف تھے۔ پیشوا نے کہا کہ:

''ہم بچوں سے خلاف آمادہ جنگ نہیں ہیں''۔

عارضی صلح اور ابتدائی امن معاہدے کے بعد مستقل امن معاہدہ سرانجام دینا تھا۔ اس کی بہت سی تفصیلات بھی طے کرنا تھیں۔ ٹیپو سلطان کو اپنے نصف علاقے انگریزوں کے حوالے کرنے تھے۔ لیکن کون کون سے اضلاع انگریزوں کے حوالے کیے جانے تھے؟ انگریزوں نے ابتدائی امن معاہدے کی تشریح کچھ اس طور سرانجام دی کہ ٹیپو سلطان کو اپنی وہ سرزمین انگریزوں کے حوالے کرنا تھی جس کی آمدنی اس کی کل قومی آمدنی کا نصف تھی۔ ٹیپو کے ''وکیلوں'' نے آمدنی کے جو گوشوارے پیش کیے فرنگیوں نے انہیں مسترد کر دیا کیونکہ وہ اس نکتہ نظر کے حامل تھے کہ یہ گوشوارے غلط تھے اور ان کے خیال میں جن اضلاع کی آمدنی انگریزوں کے حوالے کرنی تھی ان کی آمدنی ظاہر کی گئی آمدنی سے کہیں زیادہ تھی۔

اس موقع پر ٹیپو سلطان کی انتظامی اصلاح کاری سود مند ثابت ہوئی۔ کیونکہ آمدنی کے کھاتے محتاط انداز میں تیار کیے گئے تھے اور یہ فراہم کردہ معلومات کے ثبوت کے لیے کافی تھے۔

تاہم بعد کی تحقیق سے یہ بات پایہ تکمیل کو پہنچی تھی کہ ٹیپو سلطان نے واقعی ہی آمدنی کے گوشواروں میں ان اضلاع کی آمدنی کو معمول کی آمدنی سے کم ظاہر کیا تھا۔ ان اضلاع کی آمدنی ظاہر کردہ آمدنی سے کہیں بڑھ کر تھی۔

مزید برآں کچھ حساب کتاب جنگ کے دوران ضائع بھی ہو چکا تھا۔

کافی بات چیت اور بحث مباحثے کے بعد بالآخر 9 مارچ کو فرنگی وفد نے ان اضلاع کی فہرست پیش کر دی جو اضلاع فرنگیوں اور ان کے اتحادیوں کے حوالے کیے جانے تھے۔ ٹیپو سلطان نے جب اس فہرست کو دیکھا تو وہ غصے سے لال پیلا ہو گیا۔ اس فہرست میں کورگ بھی شامل تھا۔ یہ ضلع مصالحہ جات کی پیداوار کے لیے مشہور تھا اور اس ضلع سے سطح مرتفع میسور تک رسائی انتہائی آسان تھی۔ اس ضلع کی سرحد بھی فرنگیوں کے کسی اتحادی کی سرحدوں کے ساتھ نہ ملتی تھی۔

اس وجہ سے اور دیگر کئی ایک وجوہات کی بنا پر گفت و شنید کا عمل تاخیر کا شکار ہوتا رہا اور بالآخر کارن ولیس نے یہ دھمکی دی کہ وہ دوبارہ جنگ کا آغاز کر دے گا اور وہ اپنا توپ خانہ بھی میدان میں لے آیا اور اس نے یرغمالی شہزادے بھی دور دراز کے مقام پر بھیج دیے اور ان کے نگرانوں کو جنگی قیدی بنا لیا۔ فرنگیوں کے کیمپ ایک ہسپتال کا منظر پیش کرتے تھے۔ ان میں ہزاروں کی تعداد میں سپاہ بیمار یا زخمی حالت میں پڑی تھی اور صحت و صفائی کی صورت حال دن بہ دن بگڑتی چلی جا رہی تھی۔ اس کثیر تعداد کی حامل فوج کا محض ایک قلیل حصہ ہی جنگ میں حصہ میں لینے کے قابل تھا۔ ایسی صورت میں جنگ کا آغاز جنگ کا پانسہ ٹیپو سلطان کے حق میں بدل سکتا تھا۔ لہٰذا کارن ولیس نے ایک بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا۔

دوسری طرف ٹیپو سلطان کے پاس بھی کوئی راستہ باقی نہ بچا تھا۔ اس کے دو بیٹے دشمن کے یرغمال بنے ہوئے تھے اور تاوان جنگ کی ایک

کثیر رقم بھی ادا کی جا چکی تھی۔ لہٰذا امن معاہدہ پر دستخط کرنے کے علاوہ اس کے پاس کوئی راستہ باقی نہ تھا۔

معاہدے کی تین نقول 19 مارچ 1792ء کو ایک باضابطہ تقریب میں نوجوان شہزادوں جو کہ یرغمالی تھے کے ذریعے ٹیپو سلطان کے حوالے کی گئیں۔

لہٰذا فرنگی اور میسوریوں کی تیسری لڑائی اپنے اختتام کو جا پہنچی۔ اس جنگ کے نتیجے میں ٹیپو سلطان کو درج ذیل نقصانات اٹھانا پڑے تھے:

- ☆ اس کی آدھی سلطنت اس کے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔
- ☆ اسے 70 قلعوں اور 800 توپوں سے ہاتھ دھونے پڑے تھے۔
- ☆ اس کے 50,000 سپاہی ہلاک ہوئے تھے اور زخمی ہوئے یا گمشدگی کا شکار ہوئے تھے۔
- ☆ اسے ایک کثیر رقم تاوان جنگ کی صورت میں ادا کرنا پڑی تھی۔

ٹیپو سلطان کو کافی ہزیمت اٹھانا پڑی تھی اور اس کی قرار واقعی تذلیل بھی ہوئی تھی۔ اب وہ اپنے ہمسایوں کے لئے کسی قسم کا کوئی خطرہ نہ رہا تھا۔ تاہم انگریز اب بھی اسے ایک بڑا خطرہ تصور کرتے تھے۔ کئی ایک محاذوں پر جنگ لڑنے کی وجہ سے ٹیپو سلطان ایک مایوس کن صورت حال کا شکار ہوا تھا۔ اگر وہ ایک ایک کر کے اپنے دشمنوں کے ساتھ جنگ کرتا تب نتائج اس کے برعکس رونما ہو سکتے تھے۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اتحادیوں کے مابین یہ معاہدہ ہوا تھا کہ وہ مفتوحہ علاقے آپس میں برابر تقسیم کر لیں گے۔ اب ایسا ہی کیا گیا تھا اگرچہ فرنگیوں نے بہترین علاقے اپنے قبضے میں کر لئے تھے۔ ان کا یہ طرزِ عمل کسی حد تک درست بھی تھا کیونکہ جنگ کا بھاری ترین بوجھ بھی انہوں نے اٹھایا تھا۔ اب مالابار ساحل کی طویل پٹی ان کے قبضے میں تھی اور اہم بندرگاہیں بھی ان کے قبضے میں تھیں اور مصالحہ جات کی منافع بخش تجارت بھی ان کے قبضے میں تھی۔ اب انہیں ٹیپو سلطان کی جانب سے کسی اچانک حملے کی کوئی فکر نہ تھی کیونکہ اب ان دروں تک انہیں رسائی حاصل تھی جو سطح مرتفع کی جانب جاتے تھے۔

بورڈ آف کمپنی۔ لندن کو اپنی رپورٹ ارسال کرتے ہوئے کارن ویلس نے اپنے آپ کو کچھ اس طرح بیان کیا کہ:

> ''بالآخر ہم نے اپنی ہندوستانی جنگ کو بخوبی پایہ تکمیل تک پہنچا لیا ہے اور میرے خیال میں یہ جنگ ہمارے لئے اس قدر سود مند ثابت ہوئی ہے جس قدر سود مند کوئی بھی معقول شخص امید کر سکتا ہے۔ ہم نے دشمن کو بخوبی زیر کر لیا ہے''۔

اس جنگ کی بظاہر وجہ جو منظر عام پر آئی تھی وہ ٹیپو سلطان کا تراون کور پر حملہ تھا جسے انگریز اپنا اتحادی سمجھتے تھے۔ لہٰذا یہ ایک حیران کن امر ہے کہ تراون کور کا امن معاہدے میں کوئی ذکر نہ تھا۔ اب تراون کور کا راجہ ہندوستان کے ان راجوں میں سے ایک تھا جو مکمل طور انگریزوں کے محکوم تھے۔

◆

امن کے سات برس

ٹیپو سلطان کو اگرچہ شکست ہوئی تھی لیکن وہ دلبرداشتہ نہ ہوا تھا اور نہ ہی شکست و ریخت کا شکار ہوا تھا۔ اس نے اب اپنے وزراء کا اجلاس طلب کیا اور یہ فیصلہ کیا کہ فاضل ٹیکس عائد کیا جائے جو کہ تاوان جنگ کی ادائیگی کے لئے انتہائی ضروری تھا۔ جنگ کے غیر معمولی بوجھ کو برداشت کرنے کے بعد...... یہ بوجھ ملک اور ٹیپو سلطان دونوں نے برداشت کیا تھا...... کوئی بھی شخص اس تعمیر نو کے کام کی تعریف سرانجام دیے بنا نہیں رہ سکتا جس کا اب آغاز ہوا تھا اور جس کے مثبت نتائج بڑی تیزی کے ساتھ برآمد ہونے شروع ہوئے تھے۔ ٹیپو سلطان نے اب اپنی بچی کچھی سلطنت کی انتظامی تقسیم دوبارہ سرانجام دی تھی اور اس کو چھوٹے چھوٹے اضلاع میں منقسم کر دیا تھا جس کی وجہ سے کارکردگی پر خاطر خواہ مثبت اثرات مرتب ہوئے تھے۔

اس امر کی کئی ایک شہادتیں موجود ہیں کہ 1792ء کے ذلت آمیز اور شرمناک معاہدے کو قبول کرنے کے بعد ٹیپو سلطان نے کس طرح اپنے طور طریقے تبدیل کیے تھے۔ اس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ روزانہ اپنے ایک بڑے ”کھلونے“ کے ساتھ کھیلتا تھا...... اس کے تحت ایک ایسا شیر دکھایا جاتا تھا جو سرخ کوٹ میں ملبوس ایک فرنگی سپاہی کو کاٹ رہا ہوتا تھا اور اسے ہلاک کر رہا ہوتا تھا۔ وہ درحقیقت فرنگیوں سے انتقام لینا چاہتا تھا۔ وہ زیادہ سے ان سوچوں میں غرق رہتا تھا کہ کس طرح اپنے ان زخموں کا انتقام لے جو زخم اسے فرنگیوں نے لگائے تھے۔ تاہم مارچ 1794ء میں ٹیپو سلطان اور اس کی فیملی کے لئے ایک خوشیوں بھرا دن اس وقت آیا جبکہ وہ دونوں شہزادے انہیں واپس مل گئے جو بطور یرغمالی فرنگیوں کے پاس تھے۔

اگرچہ میسور کی تیسری لڑائی کمپنی نے جیت لی تھی لیکن اس جنگ کی وجہ سے وہ بے تحاشا مالی بوجھ تلے دب چکی تھی۔ کمپنی کو اب کچھ وقت درکار تھا تاکہ وہ اپنی معاشی صورت حال کو بہتری کی راہ پر گامزن کر سکے۔

گورنر جنرل کارن ولیس اور اس کا جانشین (1793ء تا 1797ء) اس کوشش میں مصروف رہے کہ امن و امان برقرار رہے اور 1784ء کے انڈیا ایکٹ پر مکمل عمل درآمد کو ممکن بنایا جائے جس کے تحت ہندوستانیوں کے آپس کے جھگڑوں میں فرنگی مداخلت پر پابندی عائد کی گئی تھی۔ مثال کے طور پر 1795ء میں مرہٹوں اور نظام حیدر آباد کے درمیان مسلح تصادم ہوا تھا جس میں نظام حیدر آباد کو عبرتناک شکست ہوئی تھی...... کمپنی اس تصادم میں مداخلت سرانجام دینے سے باز رہی تھی۔ اس شکست کے بعد نظام حیدر آباد نے میسور کے ساتھ دوستانہ تعلقات بھی استوار کر لئے تھے۔

جب میسور کی تیسری لڑائی کے فریقین اپنے اپنے زخم چاٹ رہے تھے اس دوران یورپ میں فرانسیسی انقلاب جاری تھا اور اس انقلاب کے نتیجے میں فرانس اور انگلستان کے درمیان ایک نئی جنگ منظر عام پر آئی۔

ہندوستان میں فرانس اور انگلستان کے درمیان اس نئی جنگ کے نتیجے میں 1793ء میں پہلے مرحلے کے طور پر فرانسیسی علاقے پانڈی چری پر تسلط قائم کیا گیا۔

ٹیپو سلطان ہندوستان میں فرنگی طاقت کو نیچا دکھانے کی خاطر فرانس کے ساتھ فوجی تعاون کے اپنے منصوبے سے دست بردار نہیں ہوا تھا۔ اس سلسلے میں حکام کے درمیان خفیہ بات چیت جاری تھی اور اس خفیہ بات چیت کے اختتام پر 1796ء میں پیرس کے انقلابی ڈائریکٹوریٹ کو معاہدہ کا ایک مسودہ موصول ہوا...... مختصر طور پر اس معاہدے کا مقصد یہ تھا کہ فرنگیوں کو ہندوستان سے نکال باہر کیا جائے اور مفتوحہ علاقہ جات کے بہترین حصے فرانس کے قبضے میں دے دیئے جائیں۔ تاہم ڈائریکٹوریٹ نے ہندوستان میں اس مہماتی پراجیکٹ میں ملوث ہونے کی خواہش کا اظہار نہ کیا اور یہ تمام تر کاوش بیکار ثابت ہوئی۔

ٹیپو سلطان کا فرانس کے ساتھ تعاون محض لاتعداد کاریگروں...... فوجی انسٹرکٹروں اور ٹیکنیشنوں تک ہی محدود تھا جو اس کی ملازمت میں تھے اور سرنگاپٹم میں اپنی خدمات سرانجام دیتے تھے۔

……

ویلزلے...... نیا گورنر جنرل

1797ء میں ویلزلے کا انتخاب بطور نیا گورنر جنرل ہوا تھا۔ وہ ایک محنتی شخص تھا۔ اسکی عمر 38 برس تھی۔ وہ برطانوی وزیراعظم پٹ اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے چیئرمین ڈنڈاس دونوں کا دوست تھا۔ وہ چار برس تک ایسٹ انڈیا کے بورڈ کا رکن بھی رہا تھا اور کمپنی کے اغراض ومقاصد کو بخوبی سمجھتا تھا۔

یہ تینوں افراد ایک ایسی نئی سیاسی سوچ کے حامل تھے جسے وہ ہندوستان پر لاگو کرنا چاہتے تھے۔

وہ اس نکتہ نظر کے حامل تھے کہ ہندوستان کے مقامی حکمرانوں پر اثر انداز نہ ہونے کی پالیسی کو ترک کرنا چاہیئے اور ہندوستان میں فرنگی طاقت کو بڑھانے کے ہر ایک موقع سے استفادہ حاصل کرنا چاہئے۔ ویلزلے اور اس کے بعد کے دور سے کمپنی نے سامراجی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ اپنے سیکریٹری کے طور پر ویلزلے نے ولیم کرک پیٹرک کو منتخب کیا تھا...... جو نہ صرف مختلف زبانوں پر عبور رکھتا تھا بلکہ ہندوستان کے امور پر بھی گراں قدر تجربے کا حامل تھا کیونکہ وہ نہ صرف بطور انگریز ریذیڈنٹ خدمات سرانجام دے چکا تھا بلکہ کئی ایک ہندوستانی حکمرانوں کے درباروں میں بھی اپنی خدمات سرانجام دے چکا تھا۔ وہ ہندوستان کے طویل سفر کے دوران کئی ماہ تک اکٹھے رہے تھے اور اس دوران وہ ہندوستان کی صورت حال پر طویل بحث مباحثہ بھی سرانجام دیتے رہے تھے اور اس امر پر اپنی توجہ مرکوز کرواتے رہے تھے کہ ایسی صورت حال کے تحت کیا لائحہ عمل اختیار کیا جانا چاہئے۔

اس وقت قوت اور طاقت کے حامل محض چند ایک مقامات تھے۔ عظیم مغل جو دہلی میں مقیم تھے وہ کسی قدر قوت اور طاقت کے حامل نہ تھے بلکہ اب محض کاغذی شیر تھے۔ وہ کمپنی کے پینشن خوار تھے۔ جنوبی ہندوستان میں حیدرآباد...... مرہٹے...... اور میسور تھے۔ حیدرآباد اور مرہٹے دونوں عدم استحکام کا شکار تھے اور کمپنی کے لئے یہ ایک بہتر موقع تھا کہ وہ ان کے درمیان اپنے اثر ورسوخ کو فروغ دے۔

ہندوستان کی واحد طاقت جو فرنگیوں کے توسیع پسندانہ عزائم کے راہ میں ایک بڑی رکاوٹ تھی وہ میسور کا ٹیپو سلطان تھا۔ میسور کی تعمیر نو کا

کام انتہائی سرعت کے ساتھ جاری تھا اور کامیابی سے ہمکنار بھی تھا اور جنگ سے پہلے والی خوشحالی تقریباً واپس لوٹ آئی تھی۔ حتیٰ کہ میسور کی مسلح افواج بھی اب بہتر صورت حال کا شکار تھیں۔

سفارتی میدان میں بھی فرنگی ٹیپو سلطان کی سرگرمیوں سے بخوبی آگاہ تھے اگرچہ ان کو سرگرمیوں کی تفصیل معلوم نہ تھی۔

ٹیپو سلطان فرانسیسیوں سے تعاون کے حصول کے لئے جو کوشش سرانجام دے رہا تھا وہ فرنگیوں کے لئے ایک بڑا خطرہ تھا۔ یورپ میں انگلستان۔ فرانس جنگ جاری تھی۔ اس جنگ میں فرانس بہتر صورت حال کا حامل تھا۔

1792ء کے امن معاہدہ کے بعد کمپنی نے فوجی تیاریوں میں تخفیف سرانجام دے دی تھی۔ کمپنی اس امر پر یقین رکھتی تھی کہ معاہدہ امن ہی ایک معقول گارنٹی تھی۔ اس کی بجائے کمپنی نے اپنے وسائل کا رخ اپنے اصل مقصد کی جانب موڑ دیا تھا...... تجارت اور کامرس...... 1790ء کمپنی کے لئے ایک کامیاب برس تھا...... اب وہ نئے حاصل کردہ علاقوں سے بھرپور فائدہ اٹھا سکتی تھی اور بہت سی دولت کما سکتی تھی۔

گورنر جنرل کا عہدہ سنبھالتے ہی ویلزلے ٹیپو سلطان کو نیست و نابود کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اپریل 1798ء میں وہ ہندوستان آن پہنچا تھا اور اس نے فوراً کمپنی کے افسران کو یہ احکامات جاری کر دیئے تھے کہ وہ فوج کو کسی بھی متوقع جنگ کے لئے تیار رکھیں۔ اس وقت فرنگی انتظامیہ کسی بھی جارحانہ فوجی کاروائی کے لئے تیار نہ تھی بالخصوص ٹیپو سلطان کے خلاف وہ کسی فوجی کاروائی کیلئے تیار نہ تھی۔ جس سے فرنگی انتظامیہ ہنوز خوف زدہ دکھائی دیتی تھی۔ ویلزلے اس وقت عدم طمانیت کا شکار ہوا جب اس کے علم میں یہ بات آئی کہ فوجی تیاریاں نہ ہونے کی برابر تھیں۔ لہٰذا اس نے اپنی فوج کو مسلح کرنے کی بھرپور کوشش شروع کی۔

اپنے بحری سفر کے دوران ویلزلے نے کمپنی کے بورڈ کے چیئرمین کے نام ایک خط تحریر کیا تھا جس میں اس نے ٹیپو سلطان کے ساتھ تعلقات کو اپنا موضوع بنایا تھا:

> ”......ہمارے خلاف وہ جو سازشیں تیار کر رہا ہے ہمارے پاس اس کے مکمل ثبوت موجود ہیں۔ اس کی سازشیں ہماری نظروں سے اوجھل نہیں ہیں۔ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ فی الحال اسے ہمارے خلاف سازشیں تیار کرنے کی کھلی چھٹی ملی ہوئی ہے اور ہماری جانب سے اسے ہمارے خلاف سازشوں سے باز رکھنے کے لئے کوئی اقدام سرانجام نہیں دیا جا رہا......“

ملارٹک اعلامیہ

ولزلے کو جلد ہی ٹیپو سلطان کے جارحانہ عزائم کے ثبوت بھی میسر آ گئے تھے۔ 8 جون 1789ء کو..... یعنی ولزلے کی ہندوستان میں آمد کے محض دو ماہ سے بھی کم عرصے کے بعد..... کلکتہ کے ایک اخبار نے ایک غیر معمولی دستاویز شائع کی..... نام نہاد ملارٹک اعلامیہ..... اس اعلامیہ میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ ٹیپو سلطان:

> ''یہ خواہش رکھتا ہے کہ وہ فرانس کے ساتھ نہ صرف دفاعی اتحاد قائم کرے بلکہ جارحانہ اتحاد بھی قائم کرے اور محض اس لمحے کے انتظار میں ہے کہ کب فرانسیسی اس کی مدد کو آن پہنچیں اور دونوں مل کر انگریزوں کے خلاف اعلان جنگ کریں جن کو وہ ہندوستان سے نکال باہر کرنے کی شدید خواہش رکھتا ہے''۔

یہ کس قسم کی دستاویز تھی اور اس کو کہاں سے حاصل کیا گیا تھا؟ اور یہ کیسے ممکن ہوا کہ خفیہ سفارتی دستاویز ایک عوامی اخبار کی زینت بنے...... ایک عوامی اخبار میں چھپے؟

اس نرالے المیے کی داستان کچھ یوں تھی:

> ''فروری 1797ء میں ایک غیر معروف فرانسیسی بنگلور آن پہنچا۔ اس کا نام ریپاڈ تھا۔ اس نے اپنے آپ کو ایک فرانسیسی جزیرے کا وائس ملٹری کمانڈر ظاہر کیا اور اس نے یہ بھی بیان کیا کہ وہ ٹیپو سلطان کو بتانا چاہتا تھا کہ 10,000 فوجی نفری کے حامل فرانسیسی فوجی دستے اس جزیرے پر موجود تھے جو کہ عازم ہندوستان ہونے کے لئے تیار کھڑے تھے۔ ریپاڈ کو سرنگاپٹم آنے دعوت دی گئی۔ وہ مارچ میں سرنگاپٹم پہنچ گیا اور اس نے ٹیپو سلطان کو بھی وہی داستان سنائی۔ یہ داستان سن کر ٹیپو سلطان کا جذبہ دیدنی تھا...... اس کا خیال درست ثابت ہو رہا تھا...... اس کے خیال میں پیرس کے ڈائریکٹوریٹ کو اس کا مسودہ موصول ہو چکا تھا جو ایک معاہدے کے ضمن میں تھا اور انہوں نے فوری طور پر فوجی دستے روانہ کر دیے تھے..... فوجی دستے اس قدر برق رفتاری کے ساتھ روانہ کیے گئے تھے کہ ان کو اسے مطلع کرنے کا وقت ہی نہ ملا تھا۔
>
> ٹیپو سلطان کے وزراء اس نکتہ نظر کے حامل تھے کہ ریپاڈ ایک دھوکے باز اور فریبی تھا۔ لیکن ٹیپو سلطان کے محل سے تحریر کروائے گئے احکامات کا ایک سیلاب امڈ رہا تھا۔ ٹیپو سلطان نے معاہدے کا مسودہ ذاتی طور پر تیار کیا۔ ایک بحری جہاز خریدا گیا اور چار افراد پر مشتمل ایک وفد کی تقرری کی گئی۔ اپریل 1797ء میں یہ وفد روانگی کے لئے بالکل تیار تھا لیکن جہاز کچھ مسائل کا شکار ہو گیا اور مون سون کا موسم بھی شروع ہو گیا اور اگلے چند ماہ تک کوئی بھی بحری سفر سرانجام دینا ناممکن ہو گیا''۔

……

جاکوبین کلب

تاہم ریپاؤ جانتا تھا کہ انتظار کے اس دورانیے کو کس طرح مفید بنانا تھا۔ وہ سرنگاپٹم واپس لوٹ آیا...... وہاں پر جو فرانسیسی رہائش پذیر تھے ان کو اکٹھا کیا...... ان کے سامنے حب الوطنی پر مبنی تقاریر کیں اور جاکوبین کلب کی بنیاد رکھی جس کے اراکین کی تعداد ایک سو کے قریب تھی۔ اس کلب کے مئی یا جون 1797ء کے دوران ہونیوالے چھ اجلاس کا ریکارڈ بھی محفوظ ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ٹیپو سلطان اس کلب کی سرگرمیوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور کلب کو اس کی منظوری بھی حاصل تھی اور ایک پر تکلف اجلاس کا بندوبست 15 مئی کو "شہری ٹیپو" کی موجودگی میں کیا گیا اور ٹیپو سلطان کے سبز جھنڈے کی بجائے تین رنگوں پر مشتمل جھنڈا لہرایا گیا اس اجلاس میں شرکاء نے حلف اٹھایا اور یہ حلف ریپاڈ نے لیا:

"شہریو...... کیا تم تمام بادشاہوں سے نفرت کی قسم اٹھاتے ہو ماسوائے ٹیپو سلطان جو کہ ایک فاتح ہے...... فرانس ری پبلک کا اتحادی ہے...... تمام دہشت گردوں کے خلاف جنگ اور آپ کے ملک کے ساتھ محبت اور شہری ٹیپو کے ساتھ بھی محبت

جواب

"ہاں! ہم آزاد رہنے یا موت کو گلے لگانے کی قسم اٹھاتے ہیں"۔

اس کے بعد حب الوطنی پر مبنی ایک ترانہ گایا گیا اور سرنگاپٹم میں آزادی کا ایک درخت بھی لگایا گیا

یہ تمام تر معاملہ ایک قسم کا ناٹک تھا۔

◆

فرانسیسی جزیرے کی جانب روانگی

16 دسمبر 1797ء تک فرانسیسی دستوں کو لانے کے لئے فرانسیسی جزیرے تک روانگی ممکن نہ ہو سکی۔ اب محض دو سفیر ریپاڈ کی ہمراہی میں بحری سفر سرانجام دے رہے تھے۔ وہ غیر آرام دہ محسوس کر رہے تھے اور سمندری بیماری کا بھی شکار تھے۔ ان سفیروں کو سختی کے ساتھ یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنے مشن کے حقیقی مقصد کو خفیہ رکھیں اور تاجروں کے روپ میں منظر عام پر آئیں۔ تاہم ریپاڈ نے اس راز کو ظاہر کرتے ہوئے یہ مشہور کر دیا کہ مہمان ٹیپو سلطان کے سفیر تھے جو فرانس کے ساتھ ایک معاہدہ پر دستخط کرنے کے لئے محو سفر تھے۔ لہٰذا ان کا والہانہ استقبال کیا گیا اور ایک بڑا مجمع ان کے استقبال کے لئے موجود تھا۔

اس جزیرے کا گورنر ملارتک اس بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ لہٰذا اس نے اعلان کیا کہ اس جزیرے پر مقیم کسی بھی فرانسیسی دستے کو فاضل قرار نہیں دیا جا سکتا اور یہ کہ ریپاڈ محض ایک معمولی سا بحری افسر ہے جو محض اپنی صوابدید پر بنگلور گیا تھا اور کے ذمے کوئی مشن نہیں لگایا گیا تھا۔

ملارتک جس امر پر متفق ہوا وہ یہ تھا کہ وہ اپنی سفارش کے ساتھ لوگوں کیلئے ایک اپیل شائع کروائے گا جس میں لوگوں سے یہ اپیل کی گئی ہوگی کہ وہ رضاکارانہ طور پر ٹیپو سلطان کی فوج میں شامل ہوں اور جو لوگ ایسا کرنے کے متمنی ہوں وہ ان سفیروں کے ہمراہ عازم ہندوستان ہوں۔

یہ وہ اپیل تھی ملارٹک اعلامیہ کے طور پر مشہور ہوئی اور اس کی اشاعت نے ٹیپو سلطان کے مقدر پر مہر لگادی۔

اس اپیل کا مثبت ردعمل منظر عام پر نہ آیا...... محض 99 افراد نے اپنے آپ کو رضا کارانہ طور پر پیش کیا اور ان افراد سمیت دونوں سفیر 28 اپریل 1798ء کو بنگلور واپس لوٹ آئے تقریباً اس روز جس روز نیا گورنر جنرل ولیزلے مدراس پہنچا تھا۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ ٹیپو سلطان نے کسی قدر پُر قوت ردعمل کا اظہار نہ کیا...... اس کے ساتھ دھوکہ کیا گیا تھا اور اس کی سمجھ میں یہ بات آ چکی تھی کہ یہ اعلامیہ سیاسی دھماکہ ثابت ہوگا اور اسی طرح فرانسیسی سپاہ کا استقبال بھی ایک سیاسی دھماکہ ثابت ہو سکتا تھا۔ لہٰذا اس نے فوری طور پر اس اعلامیہ کی تردید کی کیونکہ یہ دستاویز اس کے نام پر جاری نہیں کی گئی تھی۔

ولیزلے کے ہاتھ اب ایک بہانہ آ چکا تھا اور وہ مناسب وقت کے انتظار میں تھا کہ کب مناسب وقت آئے اور وہ اس بہانے سے فائدہ اٹھائے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ولیزلے کو 1789ء میں ہی اس اعلامیہ کے بارے میں معلوم ہو چکا تھا۔ اسے اسی وقت ہی اپنے ردعمل کا اظہار کرنا چاہیے تھا اور ٹیپو سلطان سے احتجاج کرنا چاہیے تھا اور اس سے وضاحت طلب کرنی چاہیے تھی۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا تھا۔ اور اس کی بجائے وہ ٹیپو کے ساتھ ایسی خط و کتابت میں مصروف رہا تھا جس میں دوستی کے اظہار کے علاوہ امن کے ساتھ محبت کے دعوے بھی شامل تھے۔ نومبر 1798ء میں اس نے پہلی مرتبہ ٹیپو سلطان کے نام اپنے ایک خط میں اس اعلامیہ کا ذکر کیا تھا۔

اور نظام حیدرآباد فرنگیوں کا باجگزار بن گیا

ویلزلے اپنی فوجی تیاریوں کا منتظر تھا اور اس دوران اس نے 1789ء کے موسم خزاں کا زیادہ تر وقت دیگر ہندوستانی طاقتوں کے ساتھ گفت وشنید سرانجام دینے میں گزارا۔ نظام حیدرآباد اس کا پہلا شکار تھا...... وہ کمپنی کے توسیع پسندانہ عزائم کا پہلا شکار تھا۔

نظام کے پاس کثیر تعداد میں فرانسیسی فوجی دستے اپنی خدمات سرانجام دے رہے تھے...... ان کی تعداد تقریباً 14,000 تھی اور یہ زیادہ تر سپاہی تھے۔ ویلزلے کو یہ خطرہ لاحق تھا کہ ٹیپو سلطان کے ساتھ جنگ کے دوران یہ فرانسیسی اس کے لئے کہیں ایک خطرہ نہ بن جائیں۔ لہٰذا اس نے نظام حیدرآباد کو یہ مشورہ دیا کہ اسے فرانسیسی فوجی دستوں کی بجائے فرنگی دستے رکھنا ہوں گا...... فرانسیسی فوجی دستوں کو فرنگی دستوں کے ساتھ تبدیل کرنا ہوگا۔ اس تبدیلی کے دوران فرانسیسی سپاہ میں بے چینی کے اثرات نمودار ہوئے اور بالآخر تقریباً ایک سو کے قریب فرانسیسی فوجی افسران کو کسی جنگ کے بغیر ہی جنگی قیدی بنالیا گیا اور انہیں بطور جنگی قیدی کلکتہ روانہ کر دیا گیا اور مابعد ان کو واپس یورپ روانہ کر دیا گیا۔

اکتوبر 1789ء میں نظام اور فرنگیوں کے درمیان ایک معاہدہ طے پا گیا۔ یہ معاہدہ بھی انہی خصوصیات کا حامل تھا جس خصوصیات کے حامل اس قسم کے دیگر معاہدے تھے جو ہندوستان کے مقامی حکمران اور کمپنی کے درمیان پہلے ہی طے پا چکے تھے۔ یہ معاہدہ بھی کمپنی کے اس عمل درآمد کی عکاسی کرتا تھا جس کے تحت مقامی حکمران کی حکمرانی میں خلل اندازی کئے بغیر حقیقی طاقت اور اختیارات کمپنی کے ہاتھوں میں مرکوز کر دیئے جاتے تھے۔

اس معاہد کی شرائط درج ذیل تھیں:

(1) حیدرآباد کمپنی کو سالانہ 1.4 ملین روپے ادا کرے گا...... یہ دیگر اخراجات کی تکمیل کے علاوہ ان اخراجات کی تکمیل کے لئے ہوں گے جو کمپنی کو اپنے فوجی دستے حیدرآباد میں تعینات کرنے کے لئے برداشت کرنا ہوں گے۔

(2) اگر حیدرآباد اس سالانہ رقم کی ادائیگی میں ناکام رہے گا تب کمپنی کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ کچھ ضلعوں سے ریونیو بذات خود اکٹھا کرے۔

(3) حیدرآباد کمپنی کی اجازت کے بغیر غیر ملکی طاقتوں کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں کرے گا۔

(4) حیدرآباد کسی غیر ملکی کو بھرتی نہیں کرے گا۔

(5) حیدرآباد کے تمام تر قلعوں میں فرنگی فوجی دستے تعینات ہوں گے۔

(6) حیدرآباد کو درج ذیل امور کے بارے میں کمپنی سے ہدایات حاصل کرنا ہوں گی۔

(اس کے دارالخلافہ میں ایک ریذیڈنٹ تعینات کیا جائے گا وہ مطلوبہ ہدایات دے گا):

☆ معیشت

☆ ریونیو

☆ قانونی عدالتیں

☆ کامرس، صنعت اور زراعت

☆ ہز ہائی نس کے مفادات کے ضمن میں.....لوگوں کی خوشحالی کے ضمن میں......

اور فریقین کی باہمی خوشحالی سے ضمن میں کمپنی کے ساتھ صلاح مشورہ سرانجام دیا جائے گا۔

کمپنی کے کاروباری نکتہ نظر کے تحت آخری شرط خصوصی اہمیت کی حامل تھی۔

لیکن نظام کا اپنی ریاست پر قبضہ بغیر کسی مداخلت کے بدستور قائم رہا اور وہ حیدرآباد میں واقع اپنے محل سے حکمرانی کے فرائض سرانجام دیتا رہا اور نظام نے اپنے آپ کو امیر بنانے کا عمل جاری رکھا۔ وہ ریونیو کے اپنے حصے سے اپنے آپ کرامیر بنانے میں مصروف رہا (نظام حیدرآباد دنیا کا امیر ترین شخص بن چکا تھا)۔

چند برس بعد جبکہ ٹیپو سلطان منظر سے غائب ہو چکا تھا..... اسی قسم کا ایک معاہدہ مرہٹوں کے ساتھ بھی کیا گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی جنوبی ہندوستان میں کمپنی کی حکمرانی مکمل ہو چکی تھی۔

⁂

ٹیپو سلطان اور نپولین

ولیزلے کی سرگرمیاں اور ٹیپو سلطان کی سرگرمیوں کو اس دور کی فوجی۔ سیاسی صورت حال کے پس منظر اور تناظر میں دیکھنا چاہیے۔ اور اس پس منظر کے تحت دیکھنا چاہیے جس کے تحت 1797ء میں ولیزلے اپنے مادر وطن سے روانہ ہوا۔ اس وقت انگلستان ایک کمزور صورت حال کا شکار تھا کیونکہ فرانسیسی فوج کامیابی سے ہمکنار ہو رہی تھی اور نپولین بونا پارٹ کو عروج حاصل ہو رہا تھا۔ اس کا ستارہ بلندیوں کو چھو رہا تھا۔ فرنگیوں کو یہ یقین تھا کہ نپولین یورپ سے باہر بھی سرگرم عمل ہونے کے منصوبے رکھتا تھا۔ 19 مئی 1798ء کو نپولین ایک کثیر تعداد کی حامل فرانسیسی فوج کے ہمراہ روانہ ہوا اور ماہ ستمبر میں ولیزلے کو اس کی اس روانگی کا علم ہوا کیونکہ اس دور میں ذرائع مواصلات کا یہی حال تھا اور یہ بات واضح نہ تھی کہ نپولین ہندوستان کا رخ کرنا چاہتا تھا یا نہیں۔ اس امر سے فطری طور پر انگلستان کی پریشانی میں اضافہ ہوا۔ اس کے علاوہ ٹیپو سلطان فرانسیسیوں کے تعاون کے حصول کے لئے سرگرم عمل تھا۔ لہٰذا اس کا یہ عمل بھی فرنگیوں کے لئے باعث پریشانی تھا۔

اکتوبر 1798ء میں ولیزلے کے علم میں یہ بات آئی کہ یکم جون کو نپولین مصر جا پہنچا تھا۔ لہٰذا اسے سکون کی دولت میسر آئی۔ تاہم ہندوستان میں نپولین کا خطرہ مسلسل فرنگیوں کے سروں پر منڈلاتا رہا۔ یکم اگست 1798ء کو مصر کے ساحل سے کچھ فاصلے پر لڑی جانے والی ابوکِر کی لڑائی میں فرانسیسی بحری بیڑے کو ہزیمت اٹھانی پڑی اور وہ شکست سے دوچار ہوا۔ اس سانحہ کے نتیجے میں فرانسیسی فوج کا رابطہ اپنے مادر وطن سے بحال نہ رہ سکا۔ برطانوی ایڈمرل نیلسن (ابوکِر کا فاتح اور مابعد ٹرافل گر کا ہیرو) اس نکتہ نظر کا حامل تھا کہ نپولین کا اگلا نشانہ ہندوستان بنے گا اور وہ ہندوستان پر حملہ آور ہو گا۔ فرانسیسی فوج سمندری راستے سے نہر سویز تا بنگلور بخوبی رسائی حاصل کر سکتی تھی اور تین یا چار ہفتوں کے اندر اندر وہ بنگلور پہنچ

سکتی تھی کیونکہ سال کے اس دورانیے کے دوران ہوائیں سازگار تھیں۔

یہ بھی خیال کیا جاتا تھا کہ نپولین خشکی کے راستے ہندوستان پہنچنے کی کوشش کرے گا جس طرح ایک موقع پر سکندر اعظم خشکی کے راستے ہندوستان آن پہنچا تھا۔

یہ سب کچھ ناممکن نہ تھا اور یہی وجہ تھی کہ ہندوستان میں فرنگی پریشانی کا شکار تھے۔

نپولین نے مصر سے ٹیپو سلطان کو ایک خط تحریر کیا تھا جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ نپولین ٹیپو سلطان کے ساتھ تعاون سے نا آشنا نہ تھا۔ یہ خط کبھی بھی اپنے وصول کنندہ تک نہ پہنچ سکا لیکن یہ خط خوش قسمتی سے ابھی تک محفوظ ہے۔ یہ خط فروری 1799ء کو تحریر کیا گیا تھا جب فرنگی افواج نے میسور پر حملے کا آغاز کیا تھا۔

* * *

قلمی دوست

اگرچہ ویلزلے ٹیپو سلطان کو شک کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور اس کی مخالفت پر بھی کمربستہ تھا لیکن اس امر کا اظہار ان دونوں کے درمیان ابتدائی خط و کتابت سے نہیں ہوتا بلکہ ان دونوں کے خطوط انتہائی دلکش ہیں اور ڈپلومیسی کی منافقت کی ایک اعلیٰ درجے کی مثال ہیں۔ ہم اس بارے میں کیا کہیں گے؟

> ''میں آپ کے اور کمپنی کے درمیان خوشگوار تعلقات استوار کرنے کا خواہاں ہوں اور اپنی اس خواہش کے حق میں ہر وہ ثبوت مہیا کرنے کو تیار ہوں جو میری بساط میں ہے''

درج بالا تحریر 14 جون کو تحریر کی گئی تھی جبکہ ویلزلے مالارتک اعلامیہ سے مکمل طور پر آگاہ تھا مگر اس نے اس اعلامیہ کے بارے میں ایک لفظ بھی تحریر نہ کیا تھا بلکہ انتہائی نرم اور مہربان رویہ اختیار کیا تھا۔ ویلزلے نے وقتی طور پر اس اعلامیہ کو بالائے طاق رکھ دیا تھا اور وہ اس ہتھیار کو کسی مناسب وقت پر استعمال کرنے کا متمنی تھا اور یہ مناسب وقت نومبر 1798ء کو آن پہنچا تھا اور اس سے پیشتر ان دونوں کے درمیان خط و کتابت سے دوستانہ اور مہربان رویے کا اظہار ہوتا تھا

ٹیپو سلطان کی تحریر کچھ یوں تھی کہ:

> ''میری محض ایک ہی خواہش ہے کہ آپ کے ساتھ دوستی کو فروغ دیا جائے۔ اس خواہش کے علاوہ میری اور کوئی خواہش نہیں ہے۔ میں تہ دل سے یہ چاہتا ہوں کہ آپ کے ساتھ دوستی اور ہم آہنگی کو فروغ دیا جائے......''

تاہم اس امر میں کوئی شک و شبہ نہیں پایا جاتا کہ ویلزلے ٹیپو سلطان کے خلاف لمبے دورانیے کے منصوبے رکھتا تھا۔ درج بالا خط موصول ہونے کے چند روز بعد اس نے 20 جون کو جنرل ہیرس کو ذیل درج خط تحریر کیا کہ:

”......میری یہ خواہش ہے کہ ہمیں اپنے اتحادیوں کو پکارنے میں دیر نہیں کرنی چاہیے اور ساحل پر ایک طاقتور فوج جمع کرنی چاہیے۔ براہ مہربانی مجھے یہ بتائیں کہ ہم ساحل کے کس مقام پر اپنی فوج جمع کریں تاکہ وہ براہ راست سرنگاپٹم پر چڑھائی کر سکے......

کسی ذہین ترین افسر کو میری جانب روانہ کریں جو میرے سوال کے بارے میں معلومات رکھتا ہو اور اس کے علاوہ وہ دیگر ایسی معلومات بھی رکھتا ہو جن کی روشنی میں اچانک ٹیپو سلطان پر یلغار کرنا ممکن ہو سکے پیشتر اس کے کہ وہ غیر ملکی امداد کے حصول میں کامیاب ہو جائے“۔

اپنے 4 نومبر کے خط میں ویلز لے نے ٹیپو سلطان کو ابوکر کی لڑائی اور فرانسیسی بحری بیڑے کی شکست کے بارے میں بتایا۔ لیکن اس خط میں بھی اس نے مالارٹک اعلامیہ کا ذکر کرنے سے گریز کیا:

”آپ نے مجھے برطانیہ کی فتح کی جو اطلاع بہم پہنچائی ہے برطانیہ کی وہ بحری فتح جس کے تحت اس نے مصر کے ساحل کے نزدیک فرانس کے نو جہاز فتح کیے اور دو جہاز جلا کر راکھ کر دیے اور ان میں سے ایک جہاز پر ایک ایڈمرل بھی سوار تھا......

آپ کی اس خبر نے مجھے وہ خوشی بخشی ہے کہ میں اسے الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ میں فطری طور پر آپ کو یہ باور کروانا چاہتا ہوں کہ انگلستان کے رہنما اور اس کی عظیم الشان کمپنی ہمیشہ سنجیدگی اور دوستی کی راہ اپناتی ہے اور ہم چونکہ انسانیت کی فلاح کے لئے کوشاں ہیں لہذا ہم ہمیشہ کامیابی اور کامرانی اور فتح سے ہمکنار ہوں گے اور فرانسیسی جو ظالم ہیں اور انسانیت کے دشمن بھی ہیں وہ نیست و نابود اور تباہ و برباد ہو جائیں گے“۔

جب ویلز لے کو یہ محسوس ہوا کہ اس کی فوجی تیاریاں اپنے اختتام کو پہنچنے کے قریب تھیں تب اس کی خط و کتابت نے جارحانہ انداز اپنا لیا:

8 نومبر کو اس کی تحریر کچھ اس قسم کی حامل تھی کہ:

”فرانسیسی قوم ایک سازشی قوم ہے اور آج سے پیشتر کسی بھی دور میں ایسی سازشی قوم منظر عام پر نہیں آئی تھی۔ میری یہ خواہش ہے کہ یہ خطرناک لوگ کہیں آپ کے ذہن پر بد اثرات مرتب کرنے کا باعث ثابت نہ ہوں۔ لیکن میری اطلاع کے مطابق یہ لوگ آپ تک رسائی حاصل کر چکے ہیں اور آپ کو ان لوگوں کے خلاف جنگ کے لئے اکسا رہے ہیں جنہوں نے آپ کو قطعاً مشتعل نہیں کیا۔ آپ یہ ہرگز نہ سمجھیں کہ مجھے آپ کے اور فرانسیسیوں کے درمیان روابط کی کوئی خبر نہیں ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ فرانسیسی کمپنی کے عظیم ترین دشمن ہیں اور انہوں نے برطانوی عوام پر جنگ بھی مسلط کر رکھی ہے جو کسی بھی لحاظ سے جائز نہیں ہے......“

اس کے بعد ویلز لے کی جانب سے ایک دھمکی آمیز تحریر:

”ہمیں آپ کی فوجی تیاریوں کی خبر مل چکی ہے۔ لہذا میں اور کمپنی کے اتحادی احتیاطی اور دفاعی تدابیر اختیار کرنے پر مجبور ہیں

اور ہم نے یہ تدابیر اختیار کر بھی لی ہیں اور میرے خیال میں یہ تدابیر آپ کے مشاہدے میں بھی آ چکی ہوں گی“۔

ویلزلے نے اپنا نمائندہ ٹیپو سلطان کی جانب روانہ کرنے کی تجویز پیش کی:

> ”برطانوی حکومت اور اس کے اتحادی اپنے تمام ہمسایوں کے ساتھ امن وامان اور دوستی کی فضا قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنی سلامتی بھی چاہتے ہیں...... میں نے تمام تر فریقین کی سلامتی اور خوشحالی کے لئے ایک منصوبہ وضع کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میں میجر ڈوویٹن کو آپ کی جانب روانہ کروں تاکہ وہ آپ کو اس منصوبے کی تفصیلات سے بخوبی آگاہ کر سکے۔ آپ میجر صاحب کو بخوبی جانتے ہیں اور وہ آپ کو اس منصوبے کی بخوبی وضاحت سرانجام دے گا۔ آپ مجھے اس وقت اور مقام سے آگاہ کریں جس وقت اور مقام پر آپ میجر ڈوویٹن کو خوش آمدید کہنا پسند کریں گے۔ جوں ہی مجھے اس بارے میں آپ کی جانب سے اطلاع موصول ہوگی توں ہی میں میجر ڈوویٹن کو ہدایت کروں گا کہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائے۔“

اس خط کی طرز براہ راست کسی دشمنی یا عداوت کی عکاسی نہیں کرتی اور اس خط سے محض یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فرنگی گفت وشنید کا سلسلہ شروع کرنا چاہتے تھے۔ اس موقع پر ٹیپو سلطان صورت حال کی سنگینی کو بھانپنے میں ناکام رہا۔ اسے محض یہ خطرہ لاحق تھا کہ میجر ڈوویٹن میسور سے اسی قسم کے معاہدے کا مطالبہ کرے گا جس قسم کا معاہدہ کمپنی نے حال ہی میں نظام کے ساتھ کیا تھا اور جس کا مطلب تھا کہ اپنی آزادی سے دست برداری اختیار کرنا۔ ٹیپو سلطان کسی بھی قیمت پر ایسا معاہدہ قبول نہیں کر سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ میجر ڈوویٹن کی آمد کو قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھتا تھا اور وہ اس معاملے کو التواء میں ڈالنا چاہتا تھا حتیٰ کہ مون سون کے موسم کا آغاز ہو جائے اور فوجی کارروائی سرانجام دینا مزید مشکل ہو جائے۔

تاہم ٹیپو سلطان امن وامان قائم رکھنے کی یقین دہانی دلاتا رہا:

> ”میری دلی خواہش ہے کہ میں معاہدہ امن پر اپنے عمل درآمد کو ممکن بناؤں اور کمپنی کے علاوہ مرہٹوں کے پیشوا اور حیدرآباد کے نظام کے ساتھ دوستی کی بنیادوں کو مضبوط بناؤں“۔

کمپنی کے نمائندے میجر ڈوویٹن کی آمد کے سلسلے میں ٹیپو سلطان کسی قدر ہچکچاہٹ کا شکار رہا:

> ”میں آج کل تفریح منانے اور شکار کھیلنے میں مصروف ہوں۔ اس دوران آپ کے دوستانہ خط میں جنگ کا اشارہ میرے لئے سے انتہا حیرانگی کا باعث ثابت ہوا۔ آپ کے دوستانہ قلم نے مزید یہ تحریر بکھیری تھی کہ آپ مجھے اپنے اس منصوبے سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں جو آپ نے تمام فریقین کی سلامتی اور خوشحالی کے لئے وضع کیا ہے اور آپ اس مقصد کے لئے میجر ڈوویٹن کو میرے پاس روانہ کرنے کا ارادہ بھی رکھتے ہیں...... میں آپ کو وقت اور اس مقام کے بارے میں ضرور مطلع کروں گا جس وقت اور جس مقام پر مجھے میجر ڈوویٹن کو خوش آمدید کہنا ہوگا......“۔

یہ خط دسمبر 1798ء کو تحریر کیا گیا تھا لیکن ویلزلے کو یہ خط 19 جنوری 1799ء کو موصول ہوا تھا۔ اس وقت ویلزلے مدراس

میں موجود تھا اور فوج کی کمان سنبھالنے کے لئے بالکل تیار تھا۔

ویلزلے نے اس خط کا جواب دیتے ہوئے تمام تر دوستی اور مہربانی کو بالائے طاق رکھ دیا اور ٹیپو سلطان پر یہ الزام عائد کیا کہ اس نے اپنے سفیر فرانسیسی جزیرے پر روانہ کئے تھے اور فرانس کے ساتھ دفاعی اور جارحانہ اتحاد قائم کرنے کی کوشش سرانجام دی تھی اور فرانسیسی فوجی دستوں کو میسور آنے کی دعوت بھی دی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے ملارٹک اعلامیہ کا فارسی ترجمہ بھی اپنے خط کے ہمراہ ٹیپو سلطان کو روانہ کیا اور اس نے ٹیپو سلطان پر یہ پابندی بھی عائد کی کہ وہ خط کا جواب 24 گھنٹوں کے اندر اندر دے۔ یہ ایک غیر معقول مطالبہ تھا کیونکہ اس دور میں کسی خط کا جواب اس قدر برق رفتاری کے ساتھ پہنچانا ممکن نہ تھا اور ویلزلے نے یہ دھمکی بھی دی تھی کہ اگر اس خط کا بروقت جواب موصول نہ ہوا تو ٹیپو سلطان کو سنگین نتائج بھگتنا ہوں گے۔ اس نے ٹیپو سلطان کو یہ مشورہ بھی دیا تھا کہ وہ فرنگیوں کے خلاف ریشہ دوانیوں اور سازشوں سے باز رہے۔ ان سازشوں سے باز رہے جن سازشوں میں فرانسیسی اسے ملوث کرنا چاہتے تھے۔ اس نے فرانسیسی قوم کی مذمت کرتے ہوئے اپنے خط کا اختتام کیا تھا۔

ٹیپو سلطان اس وقت شکار کھیلنے میں مصروف تھا جب اسے ماہ فروری کے آغاز میں ویلزلے کا خط موصول ہوا تھا۔ اس نے اس جواب کچھ یوں دیا کہ:

> ”آپ کا خط موصول ہوا۔ ایک اونٹ سوار آپ کا خط لے کر حاضر ہوا تھا...... میں سیر و سیاحت کے علاوہ شکار کھیلنے میں مصروف ہوں۔ اب میں شکار کے لئے روانہ ہو رہا ہوں۔ آپ میجر ڈوویٹن کو روانہ کر سکتے ہیں جس کے بارے میں آپ بار بار تحریر کرتے رہے ہیں......“

یہ خط 13 فروری کو ویلزلے کو موصول ہوا تھا۔ 11 فروری کو وہ جنرل ہیرس کو یہ احکامات جاری کر چکا تھا کہ وہ میسور کی جانب پیش قدمی کرے۔ دوسری جانب ٹیپو سلطان نے میجر ڈوویٹن کے استقبال کے لئے 50 گھوڑ سواروں پر مشتمل جو دستہ روانہ کیا تھا وہ خالی ہاتھ واپس لوٹ چکا تھا۔

تاہم فرنگیوں اور اہل میسور کے درمیان میسور کی چوتھی لڑائی ناگزیر تھی اور یہ لڑائی جلد یا بدیر لڑی جانی تھی کیونکہ ویلزلے اس نکتہ نظر کا حامی تھا کہ ہندوستان میں انگریزوں کی راہ کی بڑی رکاوٹ ٹیپو سلطان تھا اور وہ اس رکاوٹ کو ہر حال میں دور کرنے کا متمنی تھا اور دوسری جانب ٹیپو سلطان بھی کمپنی کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر آمادہ نہ تھا۔ وہ کسی بھی طور پر کمپنی کی بالادستی قبول نہیں کرنا چاہتا تھا۔ فرنگیوں نے 1799ء میں میسور پر جو حملہ کیا تھا وہ ان کا جارحانہ اقدام تھا۔

ایک ایسا شخص جس کی رسائی محض خط و کتابت تک ہی محدود ہو ایسی سنجیدہ صورت حال میں ٹیپو سلطان کی سرگرمیاں کو سمجھنا ایک مشکل امر ہے۔ اگرچہ اسے حکمرانی کے علاوہ گفت و شنید سرانجام دینے کا بھی ایک طویل تجربہ حاصل تھا لیکن اس کے باوجود بھی وہ اپنے شکار اور سیر و تفریح میں مصروف ہونے کا حوالہ دیتا رہا جس کی وجہ سے دوسرے فریق کا مشتعل ہونا ایک لازمی امر تھا۔ جس دورانیے کے دوران خط و کتابت کا سلسلہ جاری و ساری تھا اس دوران بھی ٹیپو سلطان نے اپنے دفاع کو مضبوط بنانے کی جانب خصوصی توجہ نہ دی تھی۔ اس کی فوج زمانہ امن سے لطف اندوز ہو رہی تھی

لیکن یہ زمانہ امن زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکا۔ درحقیقت وہ کسی جنگ کے لئے تیار ہی نہ تھا۔ وہ ایک ایسی صورت حال سے دوچار تھا جو ایک قوت بخش عمل درآمد کی متقاضی تھی لیکن اس نے لاپرواہی اختیار کیے رکھی۔ ان حالات میں ایسا دکھائی دیتا تھا جیسے ٹیپو سلطان وہ پہلے والا ٹیپو سلطان نہ رہا تھا۔ ایسا دکھائی دیتا ہے جیسے وہ 1799ء کے نئے سال کے آغاز سے ہی اعصابی شکست وریخت کا شکار تھا اور کسی قسم کا کوئی فیصلہ سرانجام دینے کے قابل نہ تھا۔ جب بالآخر اس نے لچک کا مظاہرہ کیا اور فرنگی سفیر (میجر ڈوویٹن) کے استقبال کا فیصلہ کیا اس وقت بہت دیر ہو چکی تھی۔ اسے اس امر سے آگاہ ہونا چاہئے تھا کہ اسے نہ صرف جان کی بازی لگانی تھی بلکہ اپنی سلطنت کی بھی بازی لگانی تھی۔

❖

فرنگیوں اور میسور کی چوتھی لڑائی (1799ء)

میسور ایک مرتبہ پھر ایک مشکل صورت حال سے دوچار تھا۔ اس کے دشمن کم از کم چار اطراف سے اس پر حملہ آور ہو رہے تھے۔ ایک ایسی سلطنت جو پہلے ہی اپنے نصف حصے سے ہاتھ دھو بیٹھی تھی اس کے لئے چار محاذوں پر دشمن کا مقابلہ کرنا اور ان پر غلبہ حاصل کرنا کس طرح ممکن ہو سکتا تھا۔ لیکن ٹیپو سلطان اب بھی بطور ایک جرنیل اور ایک رہنما قدر و منزلت کا حامل تھا اور اس کی اس قدر و منزلت کا ثبوت اس امر سے بھی ملتا ہے کہ ایک چھوٹی سی قوم کو چیلنج کے لئے حملہ آوروں کو کس قدر وسائل کا سہارا لینا پڑا تھا۔

فرنگیوں کی فوج جو مشرق کی جانب سے پیش قدمی کر رہی تھی اس کی تعداد 21,000 تھی۔ اس کی کمان جنرل ہیرس کے سپرد تھی۔ یہ ایک بہترین مسلح فوج تھی اور اس قدر مسلح فوج پہلی مرتبہ ہندوستان کے کسی میدان جنگ میں اتاری گئی تھی۔ شمال کی جانب سے نظام حیدرآباد کی فوج پیش قدمی کر رہی تھی۔ اس کی تعداد 16,000 تھی اور اب یہ فوج ایک فرنگی جرنیل کے زیر کمان تھی۔ مغرب کی جانب سے نام نہاد ممبئی فوج پیش قدمی کر رہی تھی۔ اس کی تعداد 6,000 تھی۔ جنوب کی جانب سے بھی فرنگی فوج پیش قدمی کر رہی تھی۔ اس کی تعداد 5,000 تھی۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ مرہٹوں نے میسور پر اس حملے میں حصہ نہ لیا تھا حالانکہ ویلزلے نے انہیں بھی ملوث کرنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔

جنرل ہیرس کی فوج کسی مزاحمت کا سامنا کیے بنا اپنی پیش قدمی جاری رکھے ہوئے تھی۔ سامان حرب اور مویشیوں کی بہتات کی وجہ سے پیش قدمی کی رفتار قدرے سست تھی۔ وہ روزانہ محض سات یا آٹھ کلومیٹر پیش قدمی سرانجام دیتے تھے۔ فوجی ساز و سامان 60,000 بیلوں کے علاوہ ہاتھی اور خچر کھینچ رہے تھے۔ انسانوں اور مویشیوں کا ایک جم غفیر میسور کی جانب بڑھ رہا تھا۔ چونکہ فوجی پیش قدمی کی رفتار سست تھی لہٰذا فرنگی سپاہ کے لئے یہ نادر موقع تھا کہ وہ لوٹ مار سرانجام دیں۔ لہٰذا انہوں نے لوٹ مار کرنے سے دریغ نہ کیا۔ ٹیپو سلطان کی رہنمائی میں دفاع سرانجام دینے والوں کی پہلی مڈبھیڑ دشمن کی اس فوج کے ساتھ ہوئی جو جنوب کی جانب سے میسور کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اس فوج کا کافی جانی نقصان ہوا لیکن بالآخر ٹیپو سلطان اپنے قلعے کی جانب پسپائی اختیار کرنے پر مجبور ہو گیا۔

ٹیپو سلطان نے اپنے کچھ فوجی دستے جنرل ہیرس کو ہراساں کرنے کے لئے بھی روانہ کیے تھے تاکہ وہ اس کی پیش قدمی میں مصروف فوج

اور اس کے ساز و سامان کو اپنے حملوں کا نشانہ بنا سکیں۔ اب ٹیپو سلطان کے کچھ جرنیل جمود کا شکار ہوتے دکھائی دیتے تھے۔ پیش قدمی کرنے والی فوج پر حملہ آور ہونے کے کئی ایک مواقع دستیاب ہوئے لیکن ان مواقع سے فائدہ نہ اٹھایا گیا۔ ان کے اس طرزِ عمل کی وجہ سے سپاہ نے بھی یہ سوال کرنا شروع کر دیا تھا کہ مسئلہ کیا تھا؟ دشمن کو کیوں اپنے حملوں کا نشانہ نہیں بنایا جا رہا تھا؟ ان کو یہ بتایا گیا کہ یہ ٹیپو سلطان کی حکمت عملی تھی کہ دشمن کو لمبی پیش قدمی سے تھکا دیا جائے اور بالآخر سرنگا پٹم کے محاذ پر اسے کچل کر رکھ دیا جائے جیسا کہ 1791ء میں کیا گیا تھا۔

درحقیقت ویلزلے کے وفود اپنی خفیہ سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے تھے۔ فرنگی ایجنٹوں نے ٹیپو سلطان کے کئی ایک جرنیلوں سے رابطہ استوار کر رکھا تھا اور انہیں یہ باور کروا رہے تھے بالآخر میسور نے سرنگوں ہونا ہی تھا اور ان کے لئے یہ بہتر تھا کہ وہ اس ناگزیر حقیقت کو قبول کر لیں اور فرنگی فوج کو میسور پر بہ آسانی قبضہ کرنے دیں۔ ان جرنیلوں اور دیگر عہدے داروں کے لئے گراں قدر انعامات کا وعدہ کیا گیا تھا جو فرنگیوں کے ساتھ آمادہ تعاون تھے۔ تم ایک مایوس کن جدوجہد میں کیوں اپنی زندگی داؤ پر لگاتے ہو جبکہ تم ایک معقول پنشن کے ساتھ ریٹائرڈ بھی ہو سکتے ہو؟

انگریزوں کی اس پیشکش کا شکار ہونے والوں میں ٹیپو سلطان کا ایک وفادار وزیر...... وزیر خزانہ بھی شامل تھا...... وہ سالہا سال سے وزارت کے منصب پر فائز تھا...... اس کا نام میر صادق تھا۔ اس نے میسور کی آزادی کے آخری دنوں کے دوران اہم کردار کیا مگر اس کا یہ کردار ٹیپو سلطان کے ساتھ غداری پر مبنی تھا۔

ٹیپو سلطان کی رہنمائی اور جنرل ہیرس کی پیش قدمی کے دوران فریقین کے درمیان زبردست معرکہ آرائی ہوئی اور آخری بار ٹیپو سلطان نے بحیثیت ایک جرنیل اپنا لوہا منوایا اور ویلزلے نے بذات خود میدان جنگ سے ایک رپورٹ ارسال کرتے ہوئے اس کی بطور ایک جرنیل کارکردگی کی تعریف کی۔ تاہم اسکی یہ کارکردگی اسکے کسی کام نہ آ سکی کیونکہ فرنگیوں کو بے بہا برتری حاصل تھی۔ ٹیپو سلطان کو اپنے قلعے کی جانب پسپائی اختیار کرنا پڑی جبکہ دشمن نے قلعے کے سامنے اپنے خیمے نصب کر لئے۔ اس دوران سات اپریل کی آمد آمد تھی اور حملہ آور تقریباً دو ماہ پیش قدمی میں صرف کر چکے تھے۔ ٹیپو سلطان کی فوج کا مورال پست ہو چکا تھا اور وہ حوصلہ ہار چکی تھی جبکہ دوسری جانب فرنگی اپنے کامیابی پر پھولے نہ سماتے تھے۔

اگلے چند ہفتوں کے دوران قلعے کے اردگرد کئی ایک معرکے منظر عام پر آئے۔ ان معرکوں کی تفصیلات قارئین کرام کو بور کر دیں گی لہٰذا ان کو بیان کرنے سے گریز کیا جا رہا ہے۔ لیکن ان معرکوں میں کوئی فیصلہ کن معرکہ شامل نہ تھا۔ لیکن فرنگیوں کے توپ خانے کے افسران قلعہ بندی کے کمزور ترین مقام کی تلاش میں تھے تا کہ اسے اپنی توپوں کا نشانہ بناتے ہوئے اس میں شگاف ڈالنے کی کوشش کریں۔ انہیں قلعے کے مغربی جانب ایسا مقام میسر آ چکا تھا جہاں پر دریا کے پار سے توپیں گولہ باری کر سکتی تھیں۔ توپ خانے کو 500 تا 700 میٹر کے فاصلے پر نصب کیا گیا اور 26 اپریل کو گولہ باری کا آغاز کیا گیا اور یہ گولہ باری مسلسل جاری رہی۔ قلعے کی دیوار کے منتخب حصے پر لوہے کے بھاری گولے برسائے گئے۔ اگرچہ یہ گولہ باری آہستہ آہستہ کارگر ثابت ہو رہی تھی مگر اس کا کارگر ثابت ہونا یقینی تھا۔

اس دوران جنرل ہیرس اسی طرح خوراک کی قلت کا شکار ہوا جس طرح 1791ء میں کارن ویلس خوراک کی قلت کا شکار ہوا تھا۔ لہٰذا چاولوں کا راشن نصف کر دیا گیا اور لاتعداد بیل فاقہ کشی کی بدولت ہلاک ہونے لگے۔ ایسی صورت حال میں جلد از جلد کسی فیصلے پر پہنچنا تھا اور قلعے پر

دھاوا بولنے کا جلد از جلد حتمی فیصلہ سرانجام دیتا تھا۔ اگر فوری فیصلہ نہ کیا جاتا اور فوری کارروائی عمل میں نہ لائی جاتی تب فوجی فاقہ کشی کی بدولت ہلاک ہو سکتے تھے۔ 3 مئی کو شگاف کا معائنہ کیا گیا اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ اگلے روز حملہ کیا جائے گا۔

ان تمام تر واقعات کے دوران ٹیپو سلطان سفارت کاری کے میدان میں غیر فعال نہ رہا تھا۔ 9 اپریل کو جنرل ہیرس کو ٹیپو سلطان کا ایک خط موصول ہوا تھا۔ اس نے اپنے اس خط کے ہمراہ ویلزلے کے آخری خط کی ایک نقل بھی روانہ کی تھی اور یہ شکوہ کیا تھا کہ:

> ”میں نے ہمیشہ معاہدوں کی پابندی کی ہے......اس کے باوجود بھی فرنگی افواج کی پیش قدمی کیا معانی رکھتی ہے اور دشمنی اور جنگ کا آغاز کیا معانی رکھتا ہے؟ مجھے مطلع فرمائیں۔
>
> میں اس سے زیادہ کیا کہہ سکتا ہو؟“

جنرل ہیرس نے فوری طور پر اس خط کا جواب ارسال کرتے ہوئے تحریر کیا کہ:

> ”مجھے آپ کا خط بمعہ گورنر جنرل کے خط کی نقل موصول ہو چکا ہے۔ جہاں تک فرنگی اور اس کے اتحادیوں کی افواج کی پیش قدمی کا تعلق ہے......اس سلسلے میں گورنر جنرل کے لاتعداد خطوط کا حوالہ پیش کر سکتا ہوں جو اس موضوع پر وضاحت کے حامل ہیں۔
>
> میں اس سے زیادہ کیا کہہ سکتا ہوں؟“

اس موقع پر ٹیپو سلطان نے گفت و شنید سرانجام دینے کے لئے اپنے نمائندے روانہ کرنے کی درخواست کی۔ ویلزلے نے پہلے ہی جنرل ہیرس کو ہدایت کر رکھی تھی کہ اگر ٹیپو سلطان گفت و شنید کی پیش کرے تو اسے اس سلسلے میں کس ردعمل کا مظاہرہ کرنا تھا اور کون سی شرائط ٹیپو سلطان کو پیش کرنا تھا۔ لہٰذا 22 اپریل کو جنرل ہیرس نے معاہدہ امن کی تجویز پیش کر دی۔ لیکن اس معاہدے کی شرائط انتہائی کڑی تھیں:

☆ ٹیپو سلطان اپنی بقایا سلطنت کا نصف حصہ فرنگیوں کے حوالے کرے گا۔

☆ وہ فاتحین کے مستقل سفیر اپنی سلطنت میں تعینات کرے گا۔

☆ وہ تمام تر جنگی قیدیوں کو رہا کرے گا۔

☆ وہ فرانسیسیوں کے ساتھ اپنے تمام رابطے منقطع کرے گا۔

☆ وہ 20 ملین روپے بطور تاوان جنگ ادا کرے گا۔

☆ وہ اپنے چار بیٹے اور چار جرنیل بطور یرغمالی فرنگیوں کے حوالے کرے گا تاکہ تاوان جنگ کی وصولی کے سلسلے میں انہیں تحفظ حاصل ہو سکے۔

اس کے ساتھ یہ بھی باور کروایا گیا تھا کہ ان شرائط کو 24 گھنٹوں کے اندر اندر قبول کرنا تھا اور 48 گھنٹوں کے اندر اندر یرغمالی فرنگیوں کے حوالے کرنا تھے۔

ٹیپو سلطان نے اب ایک اور خط تحریر کیا جس میں اس خواہش کا اظہار کیا گیا تھا کہ وہ دو نمائندے بھیجنا چاہتا تھا تا کہ وہ مجوزہ امن معاہدے کے اہم نکات پر گفت و شنید سرانجام دے سکیں۔

جنرل ہیرس نے جواب دیا کہ وہ اس وقت ٹیپو سلطان کے کسی نمائندے سے گفت و شنید سرانجام نہیں دے سکتا جب تک وہ اپنے ساتھ ٹیپو سلطان کے دستخط کا حامل معاہدہ امن...... یرغمالی اور رقم نہ لائے۔ ٹیپو سلطان کو اگلے دن دو پہر تین بجے تک کی مہلت دی گئی۔

صاف ظاہر ہے کہ اس کے بعد ٹیپو سلطان نے خاموشی اختیار کر لی۔ اب کوئی بھی راستہ باقی نہ رہا تھا ماسوائے لڑائی...... اور آخری وقت تک لڑائی۔

……

آخری معرکہ 4 مئی 1799ء

3 مئی کی شب فرنگی افسران نے آخری مرتبہ شگاف کا معائنہ سرانجام دیا اور غدار میر صادق کے ساتھ غالباً آخری میٹنگ بھی سرانجام دی۔ وہ اس امر پر متفق ہوئے کہ حملہ دو پہر کے وقت کیا جائے جبکہ گرمی اور تپش اپنے جوبن پر ہو گی اور جب دفاع پر مامور افواج اور عہدے دار دو پہر کا کھانا کھانے میں مصروف ہوں گے اور اس وقت وہ چوکنے اور ہوشیار نہ ہوں گے۔ ان کے خیال میں ٹیپو سلطان بھی دن کی روشنی میں فرنگی حملے کا گمان نہیں کر سکتا تھا کیونکہ 1791ء اور 1792ء میں کارن ولیس بھی رات کے وقت اس پر حملہ آور ہوا تھا اور وہ اب بھی رات کے حملے کے تصور میں ڈوبا ہوا ہو گا۔

4 مئی کو طلوع آفتاب سے قبل رات کے اندھیرے میں حملہ آوروں نے اپنے مورچے سنبھال لئے تھے۔ حملہ آور فوج میں 2,494 یورپی اور 1,882 سپاہ شامل تھی۔ حملہ آوری کا راشن ان سب میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ اس دوران معمول کے مطابق توپیں گولہ باری کر رہی تھیں اور ان توپوں کے گولے حملہ آوروں کے سروں کے اوپر سے گزرتے ہوئے قلعے کے ہدف کو اپنا نشانہ بنا رہے تھے۔

ٹھیک ڈیڑھ بجے دو پہر جنرل بیرڈ...... جس کو اس حملے کی کمان سونپی گئی تھی وہ اپنے مورچے سے باہر نکلا...... اس نے اپنی تلوار ہوا میں لہرائی اور چلایا:

> ”آؤ میرے بہادر ساتھیو...... میرے پیچھے آؤ اور یہ ثابت کرو کہ تم برطانوی سپاہی کہلانے کے جائز حقدار ہو“

اب ہر کوئی اپنے مورچے سے باہر نکل رہا تھا۔ تمام تر سپاہ بندوقوں سے مسلح تھی جن کے آگے لمبی لمبی سنگینیں چمک رہی تھیں۔

اس وقت درجہ حرارت 40 ڈگری تھا اور سپاہ اپنے سرخ کوٹوں میں پسینے سے شرابور تھی۔ قلعہ کے اندر سے حملہ آوروں پر بندوقوں کی فائرنگ جاری رہی لیکن حملے کے آغاز کے محض سات منٹ بعد ایڈوانس پارٹی با آواز بلند تالیوں کے شور میں شگاف میں فرنگی جھنڈا لہرانے میں کامیاب ہو گئی (وہ سپاہی جنہوں نے قلعے پر دھاوا بولنے کے دوران یہ کارنامہ سرانجام دیا تھا انہیں موقع پر ہی ترقی سے نواز دیا گیا تھا۔) اس موقع پر

جھنڈا سارجنٹ بیٹ سن کے ہاتھ میں تھا اور وہ فاتحانہ انداز میں چلا اٹھا کہ:

”اب وہ سارجنٹ بیٹ سن سے لیفٹیننٹ بیٹ سن بن چکا ہے۔“

اگلے ہی لمحے وہ دشمن کی ایک گولی لگنے سے ہلاک ہو چکا تھا۔ وہ محض 30 سیکنڈ تک اپنے نئے عہدے سے لطف اندوز ہو سکا تھا۔

شگاف جو تقریباً 30 میٹر چوڑائی کا حامل تھا جلد ہی سرخ کوٹوں کے ساتھ بھرنے لگا اور میسوری بھی اس شگاف کی جانب برق رفتاری کے ساتھ بڑھے۔ اس کے بعد شدید دست بدست لڑائی ہوئی۔ حملہ آور افواج کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ قلعے کی فصیل پر منقسم ہو جائیں۔ لہٰذا نصف فوج دائیں جانب بڑھی اور باقی نصف فوج بائیں جانب بڑھی اور قلعے کے دفاع پر مامور فوجی حیرانگی کے عالم میں دھر لئے گئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس وقت غدار میر صادق نے یہ اعلان کیا کہ سپاہی اپنی اپنی تنخواہ کی وصولی کے لئے حاضر ہوں۔ لہٰذا سپاہ نے شگاف کی جانب کوئی توجہ نہ دی۔

* * *

جب یہ سب کچھ وقوع پذیر ہوا اس وقت ٹیپو سلطان کیا کر رہا تھا؟

جس وقت سے دشمن کی افواج سرنگا پٹم پہنچی تھیں اس وقت سے ٹیپو سلطان نے اپنا ایک سادہ سا ہیڈ کوارٹر قلعے کی شمالی جانب قائم کر رکھا تھا۔ وہ اسی مقام پر اپنا کھانا تناول کرتا تھا اور اسی مقام پر ہی سوتا تھا اور اسی مقام سے قلعے کا دفاع سرانجام دینے کے احکامات صادر کرتا تھا۔ صورت حال کی نزاکت کی وجہ سے اب وہ از حد مایوسی کا شکار تھا اور اسے اپنی مایوسی کے خلاف بھی جنگ لڑنا تھی۔ 4 مئی کی صبح اس نے گھوڑے پر سوار ہوتے ہوئے قلعے کے اردگرد کا معائنہ کیا اور شگاف کا معائنہ بھی سرانجام دیا اور حکم دیا کہ اس شگاف کی مرمت کی جائے۔ اس کے بعد وہ اپنے محل میں چلا آیا تاکہ غسل کر سکے۔ اس کا معمول تھا کہ وہ روزانہ صبح سویرے اپنے نجومیوں سے صلاح مشورہ کرتا تھا۔ تمام تر نجومیوں کی یہ پیشین گوئی تھی کہ 4 مئی کا دن ٹیپو سلطان کے لئے بدشگون اور منحوس دن تھا اور انہوں نے اسے یہ مشورہ دیا تھا کہ شام تک اپنی فوج کے ہمراہ رہے اور خیرات وغیرہ بھی کرے۔ غسل کرنے کے بعد اس نے غرباء میں کپڑے اور پیسے تقسیم کئے جو کہ محل کے باہر اکٹھے ہوئے تھے۔

اس کے بعد ٹیپو سلطان اپنے چھوٹے سے ہیڈ کوارٹر میں واپس آ گیا تاکہ دوپہر کا کھانا تناول کر سکے۔ اس نے بمشکل کھانے کا آغاز ہی کیا تھا کہ اس کو یہ اطلاع ملی کہ اس کے وفادار جرنیلوں میں سے ایک جرنیل سید غفار توپ کا ایک گولہ لگنے سے ہلاک ہو چکا تھا۔ اپنے اس وفادار جرنیل کی ہلاکت کا سن کر اسے از حد صدمہ ہوا اور وہ مزید ذہنی پریشانی کا شکار ہوا۔ اب وہ کھانا کھانے کے قابل نہ رہا تھا لہٰذا اس نے گھوڑا پکڑا اور اس شگاف کا رخ کیا جہاں سے لڑائی کا شور بخوبی سنائی دے رہا تھا۔ وہ عین وقت پر اس مقام پر پہنچا تھا اور اس نے فرنگیوں کی ایڈوانس پارٹی کو اپنی آنکھوں کے ساتھ شگاف میں فرنگی جھنڈا لہراتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ برق رفتاری کے ساتھ قلعے کی جانب لپکا اور بندوق کا فائر کھول دیا۔ یہ بندوق اس کے خادم نے اس کے حوالے کی تھی۔ دو تا تین فرنگی اس کی بندوق کی فائرنگ سے ہلاک ہوئے تھے۔

ٹیپو سلطان کی موجودگی سے شگاف کے بائیں جانب دفاع سرانجام دینے والے فوجی از حد متاثر ہوئے تھے۔ پیش قدمی کرتے ہوئے

فرنگی دستے کو روک دیا گیا تھا اور دست بدست جنگ جاری تھی اور کبھی کبھار بندوق کے فائر کی بھی آواز سنائی دیتی تھی بشرطیکہ اسے لوڈ کرنے کا موقع میسر آ جاتا۔ جب ٹیپو سلطان نے یہ دیکھا کہ میسوریوں کے قدم اکھڑ رہے تھے اور وہ ان کے اکھڑتے ہوئے قدموں کو دوبارہ جمانے میں کامیاب نہ ہو سکا تھا تب وہ دوبارہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور قلعہ کے اندرونی حصے کی جانب روانہ ہو گیا۔ محافظ افسر کو حکم دیا گیا کہ وہ قلعے کا دروازہ کھول دے لیکن اس نے اس حکم کو نظر انداز کر دیا اور ٹیپو سلطان راہ فرار اختیار کرنے والے فوجیوں کے ہجوم میں پھنس کر رہ گیا۔ اسے پہلے ہی ایک زخم لگ چکا تھا۔ اب اسے ایک اور زخم لگا اور جس گھوڑے پر وہ سوار تھا وہ گھوڑا بھی ہلاک ہو چکا تھا۔ اب فرنگی فوجی دستے ان فرار ہونے والی سپاہ پر براہ راست گولیاں برسا رہے تھے۔

ٹیپو سلطان کو تیسرا زخم لگا۔ اس مرتبہ یہ زخم اس کے سینے کی بائیں جانب لگا۔ اس کے معاون نے یہ کوشش کی کہ اسے نزدیکی پالکی میں سوار کرا سکے لیکن ٹیپو سلطان تکلیف کی شدت کی وجہ سے پالکی میں سوار نہ ہو سکا۔ اس کے معاون نے اب ٹیپو سلطان کو یہ مشورہ دیا کہ وہ اپنے آپ کو دشمن پر ظاہر کر دے اور اپنے آپ کو دشمن کے حوالے کر دے۔ لیکن ٹیپو سلطان نے اس کی تجویز سے اتفاق نہ کیا اور ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے لمحہ بہ لمحہ کمزور تر ہوتا چلا جا رہا تھا۔ اب فرنگی سپاہ کا ایک گروہ ٹیپو سلطان کی جانب بڑھ رہا تھا۔ ان میں سے ایک سپاہی کی نظر اس کی پیٹی پر پڑی جس میں ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے اور اس نے اس کی پیٹی اتارنے کی کوشش کی۔ ٹیپو سلطان نے اس پر اپنی تلوار کا وار کرتے ہوئے اپنا دفاع سرانجام دینے کی کوشش کی۔ سپاہی نے اپنی بندوق اٹھائی اور اس کے سر کو اپنی گولی کا نشانہ بنا دیا۔

ہلاک شدہ گان اور زخمیوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ ٹیپو سلطان نے پالکی کے پیچھے چھپتے ہوئے اپنی جان بچائی اور جلد ہی ٹیپو سلطان کی لاش ان لاشوں میں شامل ہو گئی جو دیوار اور قلعے کے دروازے کے قریب پڑی تھیں۔

عین اس لمحے جنگ کے شور کے ساتھ ساتھ تالیوں کی آواز بھی سنائی دینے لگی۔ دو فرنگی فوجی دستے مختلف سمتوں سے پیش قدمی کرتے ہوئے آپس میں آن ملے تھے۔ فرنگی سپاہ برق رفتاری سے قلعے کے اندر داخل ہوئی اور راہ فرار اختیار کرتے ہوئے ڈھیروں میسوری گاجر مولی کی طرح کاٹ دیے گئے یا سنگینوں کا نشانہ بنائے گئے۔ جب مزاحمت کا مکمل خاتمہ ہو گیا تب فرنگی سپاہ نے اپنی لوٹ مار کا آغاز کر دیا۔ وہ زبردستی گھروں میں داخل ہو گئے...... عورتوں پر تشدد کیا...... جنہوں نے ان کی مزاحمت کی انہیں ہلاک کر دیا اور جس چیز کو بھی انہوں نے قیمتی گردانا اسے لوٹ لیا۔

اب ٹیپو سلطان کو تلاش کرنا تھا۔ ایک میجر جس کا نام الن تھا اور جو مقامی زبان سے واقف تھا اس کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ سفید جھنڈا تھام کر ٹیپو سلطان کے محل کا رخ کرے۔ کچھ لوگ محل کی بالکونی میں جمع تھے۔ اس نے چلاتے ہوئے ان سے کہا کہ وہ رضاکارانہ طور پر ہتھیار ڈال دیں اور اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو انہیں تہ تیغ کر دیا جائے گا۔ اس دوران محل کا کمانڈر محل سے باہر آ چکا تھا لیکن وہ فرنگیوں کی اطاعت قبول کرنے میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ میجر الن نے محل میں داخل ہونے پر اصرار کیا اور کہا کہ وہ ٹیپو سلطان سے ذاتی طور پر بات کرنا چاہتا تھا۔ اس کو بتایا گیا کہ ٹیپو سلطان محل میں مقیم نہ تھا لیکن اس نے اس اطلاع پر یقین نہ کیا اور اپنے شک کا اظہار کیا۔ اب ٹیپو سلطان کے تین بیٹے خوف و ہراس کا شکار سامنے آئے۔ انہوں نے اصرار کیا کہ وہ اپنے والد کی اجازت کے بغیر محل کا دروازہ نہیں کھولیں گے۔ تاہم انہوں نے محسوس کیا کہ وہ بے یار و مددگار تھے اور

جب میجر الن نے ان کے تحفظ کی ضمانت دی تب انہوں نے محل کا دروازہ کھولا اور محل سے باہر نکل آئے۔ ان کو فوری طور پر جنرل ہیرس کے سامنے پیش کیا گیا اور جنرل ہیرس ان کے ساتھ بہتر برتاؤ کے ساتھ پیش آیا۔

اب محل میں ٹیپو سلطان کی تلاش کی جانے لگی لیکن بے سود...... محل کے کمانڈر نے بتایا کہ ٹیپو سلطان کو آخری مرتبہ قلعے کے دروازے کے پاس دیکھا گیا تھا اور اس وقت وہ زخمی بھی تھا۔ قلعے کا علاقہ ہلاک شدہ گان اور زخمیوں سے بھرا پڑا تھا...... زخمیوں کی چیخ و پکار بھی اپنے عروج پر تھی۔ دوسری جانب سپاہ لوٹ مار میں مصروف تھے اور جن لوگوں کو لوٹ مار کا نشانہ بنایا جا رہا تھا وہ بھی چیخ و پکار کر رہے تھے۔ میجر الن اب ہاتھ میں ٹارچ تھامے قلعے کے شمالی دروازے کی جانب بڑھا۔ رات کے اندھیرے میں اسے ہر طرف ہلاک شدہ گان اور زخمیوں کے ڈھیر نظر آئے۔ ہر سمت خون میں نہائی ہوئی تھی۔ ٹیپو سلطان کا معاون جو پالکی کے پیچھے چھپا ہوا تھا وہ بھی اب اپنی پناہ گاہ سے باہر نکل چکا تھا۔ وہ بری طرح زخمی تھا اور اس نے اس جگہ کی نشاندہی کی جس جگہ اس کے خیال میں ٹیپو سلطان کی لاش مل سکتی تھی اور ٹیپو سلطان کی لاش کو لاشوں کے ایک ڈھیر سے کھینچ کر نکالا گیا۔ میجر الن نے محسوس کیا کہ ٹیپو سلطان کی آنکھیں ہنوز کھلی تھیں اور اس کا جسم اس طرح گرم تھا جس طرح کہ وہ ابھی تک زندہ ہو۔ اس کی نبض اور سانس کے معائنے سے یہ ثابت ہوا کہ وہ ہلاک ہو چکا تھا۔ اس کی لاش کو اب پالکی میں رکھا گیا اور اسے اس کے محل میں پہنچا دیا گیا تاکہ اس کے نزدیکی عزیز اس کی لاش کی شناخت کر سکیں۔ ٹیپو سلطان کو چار زخم آئے تھے اور اس کا لباس بُری طرح گرد آلود ہو چکا تھا۔ اس کی پیٹی ہنوز اس کی کمر پر موجود تھی مگر اس نے جو پگڑی باندھ رکھی تھی وہ لڑائی کے دوران کہیں نہ کہیں کھو چکی تھی۔ عینی گواہوں نے یہ تصدیق کی تھی کہ موت کے بعد بھی اس کے چہرے کے تاثرات سے وقار جھلکتا تھا۔ اس کا چہرہ پُرسکون اور متانت سے بھرپور تھا اور اس سے طمانیت کا اظہار ہوتا تھا۔

* * *

تجہیز و تکفین (5 مئی 1799ء)

اگلی صبح قلعے کی فضا خوف و ہراس سے بھرپور نظارہ پیش کر رہی تھی۔ ہر جانب موت کا رقص تھا۔ لوٹ مار کا سلسلہ ہنوز جاری تھا۔ گرمی اپنے عروج پر تھی اور ہلاک شدہ گان کی لاشوں کو ٹھکانے لگانا انتہائی ضروری تھا۔ گورنر جنرل کے بھائی کرنل رچرڈ ویلزلے کو قلعے کا نگران مقرر کر دیا گیا تھا اور 8 مئی کی ایک رپورٹ میں اس نے یہ انکشاف کیا تھا کہ اس نے کس طرح امن و امان بحال کیا تھا۔ اس غرض کے لئے اس نے نہ صرف سپاہ کو سزا دی بلکہ کچھ سپاہ کو تختہ دار پر بھی چڑھا دیا۔ یہ وہ سپاہ تھی جو لوٹ مار کی ممانعت کے باوجود بھی لوٹ مار میں مصروف تھی۔

اب جانی نقصانات کا اندازہ لگانا بھی ممکن تھا۔ حملہ آوروں کے 300 افراد ہلاک ہوئے تھے۔ ان میں سے 181 یورپی تھے۔ اس کے علاوہ ان کے 1200 افراد یا تو زخمی تھے یا گم تھے۔ مابعد اس جنگ میں ہلاک ہونے والے فوجی افسران کے ناموں کی تختی قلعے کے شمال مغربی کونے میں آویزاں کر دی گئی تھی...... قلعے کے شگاف کے نزدیک...... یہ تختی آج بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ میسوریوں کے ہلاک شدہ گان کی تعداد معلوم نہ ہو سکی تھی لیکن ان کی تعداد حملہ آوروں کے ہلاک شدہ گان کی تعداد سے کم از کم تین گنا زائد تھی۔

ٹیپو سلطان کی تجہیز و تکفین بھی سرانجام دینی تھی اور دوپہر تک اس سلسلے میں تیاریاں مکمل کی جاچکی تھیں۔ اس موقع پر فرنگی فاتحین نے عالی ظرفی کا ثبوت پیش کیا۔ ٹیپو کو اس اعزاز کے ساتھ دفن کیا گیا جسے ہم قومی اعزاز کے ساتھ دفن کرنا کہتے ہیں۔ اس کی لاش کو ایک نفیس پالکی میں لایا گیا جسے اس کے ذاتی ملازمین اٹھائے ہوئے تھے۔ پالکی کے پیچھے اس کا بڑا بیٹا اور ٹیپو سلطان کے اعلیٰ افسران اور وزراء تھے۔ جنازے کے جلوس کے آخر میں فرنگی پیادہ فوج کی چار کمپنیاں تھیں جنہوں نے سرخ کوٹ اور سفید پتلونیں زیب تن کر رکھی تھیں۔ جنازے کے راستے میں رعایا کا ہجوم کھڑا تھا۔ کچھ لوگ رو رہے تھے اور کچھ لوگ تھکے ماندے زمین پر پڑے تھے۔ وہ غم سے نڈھال تھے۔

ٹیپو سلطان کو دفن کرنے کی جگہ پہلے ہی سے موجود تھی۔ 1782ء میں اپنے باپ کی وفات کے بعد ٹیپو سلطان نے جزیرہ سرنگاپٹم کے مغربی کونے پر ایک خوبصورت مقبرہ تعمیر کروایا تھا اور اسی مقبرے میں ٹیپو سلطان کو اس کے باپ اور ماں کے پہلو میں دفن کیا گیا جہاں پر وہ آج بھی محو آرام ہے۔

قلعے سے اسے 49 توپوں کی سلامی دی گئی۔ ٹیپو سلطان کی زندگی کے ہر ایک سال کے لئے توپ کا ایک گولہ داغا گیا اور غریبوں میں 500 روپے تقسیم کیئے گئے اور ٹیپو سلطان کی تجہیز و تکفین کی تقریب میں قدرت نے بھی اپنا حصہ ڈالا...... ایک شدید طوفان نمودار ہوا۔ گھن گرج اور چمک کے ساتھ موسلا دھار بارش ہوئی...... آسمانی بجلی گرنے سے دو فرنگی افسران اپنے خیمے میں ہلاک ہوئے۔

جنگ کے نتائج وعواقب

اب ویلزلے نے جنگ کو سمیٹنا تھا...... اسے ختم کرنا تھا اور مال غنیمت کی ایک فہرست تیار کرنی تھی اور مال غنیمت کو تقسیم کرنا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے جنوبی ہندوستان میں ایک نیا سیاسی نظام بھی متعارف کروانا تھا۔

ٹیپو سلطان اور سرنگاپٹم کے زوال کے بعد میسور کے دیگر قلعوں پر قبضہ جمانا ایک آسان امر تھا کیونکہ مزاحمت سرانجام دینے کا جذبہ ماند پڑ چکا تھا اور فرنگیوں کیلئے اب کوئی مسئلہ باقی نہ رہا تھا۔ لہذا میسور کے دیگر قلعوں پر قبضہ جمانے میں فرنگی فوج کو کسی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑا اور محض چند ہفتوں بعد تمام تر میسور فرنگیوں کے ہاتھ میں تھا۔

* * *

مال غنیمت کی تقسیم

فاتحین کے ہاتھ جو مال غنیمت لگا وہ ان کی توقع سے کہیں بڑھ کر تھا۔ لوٹ مار کے عمل کے دوران محل میں محفوظ ٹیپو سلطان کا خزانہ اگرچہ فرنگی سپاہ کی نظروں میں آیا تھا لیکن اس کا زیادہ تر حصہ لوٹ مار کی نذر ہونے سے محفوظ رہا تھا۔ اب اس خزانے کو فرنگی حکام نے تلاش کر لیا تھا۔ اس خزانے میں نہ صرف کثیر تعداد میں سونے اور چاندی کے سکے موجود تھے بلکہ سونے چاندی کی اینٹیں، ہیرے، قیمتی پتھروں اور جواہرات سے بھرے ہوئے بڑے بڑے صندوق بھی موجود تھے۔

مختلف ذرائع نے اس خزانے کی مالیت کا اندازہ اس دور کی کرنسی کے حساب سے لگایا تھا اور یہ اندازہ دوصد برس گزرنے کے بعد ہمارے لئے کسی بھی اہمیت کا حامل نہیں ہے۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس خزانے کی مالیت گراں قدر تھی۔

محل میں ٹیپو سلطان کا ایک ایسا تخت بھی ملا تھا جو بہترین اور قیمتی انداز میں سجایا گیا تھا۔ اس کے علاوہ قیمتی قالینیں اور قیمتی کپڑے بھی دریافت ہوئے تھے اور ایک لائبریری بھی دریافت ہوئی تھی جس میں 2000 کتب موجود تھیں۔ اس کے علاوہ سرکاری دفتر کی الماریاں بھی دریافت ہوئی تھیں جن میں ٹیپو سلطان کی سفارتی خط وکتابت کا ریکارڈ موجود تھا۔ فاتحین نے اس ریکارڈ پر بھی قبضہ جما لیا تھا۔

اس دور میں مسلح فرنگی افواج میں یہ رواج عام تھا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ایک قانون مروج تھا جس کے تحت مال غنیمت تقسیم کیا جاتا تھا۔ ہر ایک سپاہی خواہ وہ پرائیویٹ سپاہی ہی کیوں نہ ہو...... سب کو مال غنیمت سے حصہ ملتا تھا اور یہ حصہ بلحاظ عہدہ ہوتا تھا...... اعلیٰ فوجی افسران اور کمانڈر انچیف بہت زیادہ حصہ وصول کرنے کے حق دار ٹھہرتے تھے۔ لیکن اس جنگ کا مال غنیمت اس قدر زیادہ تھا کہ ایک خصوصی مشن کا تقرر عمل میں لانا پڑا جس کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ اس مال غنیمت کی مالیت کا اندازہ لگائے اور اس کی تقسیم کا بندوبست بھی کرے۔ محض نقد رقم گننے میں ہی کئی روز صرف ہوئے تھے۔ پہلے روز کی گنتی کے تحت 12 لاکھ ''پگوڈا'' کی گنتی سرانجام دی گئی تھی اور ان کو 1,000 ''پگوڈا'' کی تھیلیوں میں محفوظ کیا گیا تھا۔ مال غنیمت کی تقسیم کے سلسلے میں کچھ افسران میں اختلافات بھی پائے گئے کیونکہ کچھ افسران کو جیولری دی گئی تھی جو گراں قدر مالیت کی حامل تھی۔ محل کی کچھ

اشیاء...... مثلاً ٹیپو سلطان کا شیر اور کئی اقسام کے کپڑے لندن میں کمپنی بورڈ کو بطور تحفہ دیے گئے اور اس کے علاوہ شاہی خاندان کو بھی بطور تحفہ پیش کیے گئے۔ نقد رقم...... جیولری اور دیگر گراں قدر اشیاء کے علاوہ میسور کے قلعوں میں سامان حرب کے بڑے بڑے ذخیرے بھی موجود تھے اور یہ ذخیرے بھی فاتحین کے ہاتھ لگے۔

مثال کے طور پر ایک قلعے سے سامان حرب کا درج ذیل ذخیرہ برآمد ہوا تھا:

☆ 99,000 بندوقیں

☆ 373 توپ کے گولے

☆ 350,000 کلوگرام بارود

میسور کی نئی صورت حال کو کس طرح منظم کیا جانا تھا؟ اب فاتحین سرحدوں کو تبدیل کر سکتے تھے اور اثاثے آپس میں تقسیم کر سکتے تھے اور ان کو کسی مخالفت یا مزاحمت کا کوئی خطرہ نہ تھا۔ حیدرآباد اور مرہٹوں نے ان علاقوں پر اپنا تسلط جما لیا جو ان کے ملحقہ علاقے تھے اور کمپنی نے تمام تر مالابار ساحل بشمول بنگلور اور دیگر اہم بندرگاہوں پر اپنا تسلط جما لیا اور سلطنت میسور کے پاس جو کچھ باقی بچا وہ اس علاقے پر مشتمل تھا جو اس دور سے متعلق تھا جبکہ نصف صدی قبل حیدر علی اور ٹیپو سلطان نے ریاست کی وسعت کے عمل کا آغاز کیا تھا۔

میسور کے راجہ کو بحال کر دیا گیا

ٹیپو سلطان کے وزیر اعظم نے یہ تجویز پیش کی کہ حیدر علی اور ٹیپو سلطان کی سلطنت ٹیپو سلطان کے بڑے بیٹے فتح حیدر کے سپرد کر دی جائے۔ لیکن ویلزلے نے اس تجویز کو مسترد کر دیا۔ اس کی بجائے اس نے سابق شاہی خاندان سے رابطہ کیا جس کو ٹیپو سلطان نے تخت سے معزول کر دیا تھا۔

اس تخت کا وارث کرشنا راجن ویدیار محض پانچ برس کی عمر کا حامل ایک لڑکا تھا۔ اس کی ماں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ تھا جب اسے یہ معلوم ہوا کہ اس کا بیٹا بادشاہ بنایا جا رہا تھا۔ اس کی تخت نشینی کی باقاعدہ تقریب 30 جون 1799ء کو منعقد کی گئی اور یہ تاریخ نجومیوں سے مشورہ کرنے کے بعد مقرر کی گئی تھی۔ ٹیپو سلطان کے وزیر اعظم کو ہی اس نئے حکمران کا وزیر اعظم مقرر کیا گیا۔ ٹیپو سلطان اور فرنگیوں کی جنگ سے پہلے اور جنگ کے دوران بھی فرنگیوں کے ساتھ اس کے خفیہ روابط استوار تھے اور بطور ایک منتظم وہ ایک اچھی شہرت کا حامل تھا۔ لہٰذا اسے اس کے عہدے پر بحال رکھا گیا لیکن اب اس کے آقا نئے تھے۔ اب کمپنی اور میسور کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا اور اس معاہدے کی شرائط اصولی طور پر وہی تھیں جو شرائط نظام حیدر آباد کے ساتھ معاہدے کے ضمن میں تھیں۔ لہٰذا میسور کی آزادی سلب کر لی گئی تھی۔ نئی حکومت کا دارالخلافہ میسور سٹی تھا جبکہ سرنگا پٹم فرنگیوں کے تسلط میں دے دیا گیا تھا۔ کرشنا راجن 1868ء تک زندہ رہا۔

صاحب ریاست بیوہ ملکہ نے 24 جون 1799ء میں ویلزلے کے نام اپنے خط میں کچھ یوں اظہار تشکر کیا کہ:

> ”آپ نے میسور کی حکومت ہمارے بچے کے حوالے کرتے ہوئے ہمیں عظیم ترین خوشی سے دوچار کیا ہے۔ 40 برس قبل ہم سے حکومت چھین لی گئی تھی۔ ہم آپ کی حکومت کے خلاف کسی قسم کی سازش میں ملوث نہ ہوں گے اور ہم اپنے آپ کو ہمیشہ آپ کے زیر سایہ دیکھنے کے متمنی ہیں۔ ہم آپ کے احکامات کی بخوبی تکمیل سرانجام دیں گے۔“

ٹیپو سلطان کے اہل خانہ کیلئے پینشن

ٹیپو سلطان ایک بہت بڑی فیملی اور بہت بڑے حرم کا مالک تھا اور اس کی کثیر تعداد کی حامل فیملی اور حرم سے کسی نہ کسی طور نپٹنا ضروری تھا۔ ان کے ساتھ اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کیا گیا۔ اس کے تمام تر اہل خانہ کی گراں قدر پینشن مقرر کی گئی اور اس کی تمام تر فیملی بشمول حرم اور خادمین کو مدراس کے نزدیک ایک قلعے میں آباد کیا گیا۔ یہ تقریباً 3000 افراد پر مشتمل ایک ہجوم تھا اور ان کی نگرانی پر 1500 گھوڑ سوار مامور تھے۔ انہوں نے ایک مکمل کالونی آباد کر رکھی تھی جو "طفل میسور" (چھوٹا میسور) کہلاتی تھی۔ اور یہ کالونی قلعے کے ارد گرد پھیلی ہوئی تھی۔

اگلے چھ برسوں کے دوران انہوں نے پُر آسائش درباری زندگی گزاری۔ ان کے پاس روپے پیسے کی فراوانی تھی اور ان کے پاس کرنے کے لئے کوئی کام نہ تھا۔ 1806ء میں اس مقام میں تعینات فوجی دستوں میں بغاوت کے آثار نمایاں ہوئے اور ٹیپو سلطان کے لواحقین پر بھی شک کیا گیا کہ وہ بھی اس واقعہ میں ملوث تھے اگرچہ فرنگی اس شک کو کبھی ثابت نہ کر سکے۔ لیکن فرنگیوں نے ٹیپو سلطان کے لواحقین کو یہاں سے نکال باہر کرنے کا فیصلہ کیا۔ ٹیپو سلطان کے 52 مرد لواحقین (بیٹے اور پوتے وغیرہ) بذریعہ بحری جہاز کلکتہ روانہ کر دیئے گئے اور وہ 12 ستمبر 1806ء کو کلکتہ جا پہنچے۔ آہستہ آہستہ یہ فیملی کلکتہ میں پھیلتی چلی گئی۔ ان کی پینشن بحال رہی اور وہ اُس صدی کے آخر تک بحال رہی...... اس پینشن کو ختم کرنے کی ایک کوشش 1806ء میں سرانجام دی گئی مگر یہ کوشش ناکامی کا شکار ہوئی۔

آج بھی ٹیپو سلطان کے لواحقین کلکتہ اور ہندوستان کے دیگر حصوں میں آباد ہیں۔

……

ٹیپو سلطان کے جرنیل

ٹیپو سلطان کے جرنیلوں اور دیگر اعلیٰ عہدے داروں کے ساتھ بھی اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کیا گیا۔ حتیٰ کہ انہیں (اور ان کے اہل خانہ) کو بھی گراں قدر پینشن سے نوازا گیا۔ فرنگیوں کے اس عمل درآمد کی وجہ سے فرنگی حکمرانوں کے لئے اظہار تشکر کے جذبات منظر عام پر آئے۔ درحقیقت فرنگیوں کی یہ خواہش تھی کہ مستقبل میں فرنگی حکمرانی کے خلاف کسی قسم کی بغاوت یا سازش منظر عام پر نہ آئے۔ کوئی بھی فرد اپنی گراں قدر پینشن کو داؤ پر لگاتے ہوئے فرنگیوں کے خلاف آمادہ بغاوت نہیں ہو سکتا تھا۔ ان لوگوں کو گراں قدر پینشن سے نوازا گیا تھا کہ یہ شک پیدا ہوتا تھا کہ ان لوگوں نے بھی آخری جنگ کے دوران فرنگیوں کے ساتھ تعاون کیا تھا اور ٹیپو سلطان کے ساتھ غداری کی تھی اور یہ پینشن اسی غداری کا انعام تھا۔

……

خلاصہ

ہندوستان کی تاریخی شخصیتوں میں ٹیپو سلطان ایک بلند و بالا اور ممتاز مقام کا حامل ہے۔ اس کے بارے میں جو گراں قدر تصنیف و تالیف اور ادب دستیاب ہے اس کی رُو سے یہ بات پایہ تکمیل کو پہنچتی ہے کہ وہ لاکھوں میں ایک تھا اور اس نے نہ صرف اپنی زندگی کے دوران بلکہ ان دو صدیوں کے دوران جو گزر چکی ہیں بھی مضبوط احساسات اور مفادات کو تقویت بخشی۔ کسی بھی دوسرے ہندوستانی حکمران نے فرنگیوں کو اس قدر پریشانی اور خوف و ہراس سے دوچار نہ کیا تھا جس قدر پریشانی اور خوف و ہراس کا شکار ٹیپو سلطان نے کیا تھا۔ اسے اور اس کی ریاست کو سرنگوں کرنے کیلیے فرنگیوں کو چار برس صرف کرنا پڑے تھے۔ ہندوستانی منظر سے اس کے غائب ہونے کے بعد تاریخ کا ایک باب بند ہو چکا تھا اور فرنگیوں کے عروج کے دور کا آغاز ہو چکا تھا اور انگریزوں کا یہ سکون اور امن و امان ایک صدی سے زائد عرصے تک بحال رہا تھا اور ہندوستان کے لوگ بھی رفتہ رفتہ فرنگی تہذیب سے متاثر ہونے لگے تھے اور انہوں نے اپنی سماجی زندگی کے کئی ایک حلقوں میں فرنگی تہذیب کو اپنا لیا تھا۔

فرنگیوں کے لئے ٹیپو سلطان ایک بہت بڑا خطرہ تھا۔ وہ ایک عظیم فوجی کمانڈر بھی تھا اور اس نے اپنی اس حیثیت میں لازوال شہرت کمائی تھی۔ اس کی یہ خوبی اس کی ایک پر امن حکمران کی خوبی پر غالب آ چکی تھی۔ کئی ایک سماجی میدانوں میں وہ اپنے دور سے بہت آگے تھا اور اس نے اعتدال پسند افکار کو بھی فروغ بخشا تھا...... مثال کے طور پر اس نے عدالتی نظام کی اصلاح کرتے ہوئے اسے بہتر خطوط پر استوار کیا تھا۔ وہ دیگر امور کے علاوہ چھوٹے کسانوں اور مزارعین کے حقوق کا تحفظ بھی سرانجام دینا چاہتا تھا۔ وہ تشدد سے گریز کرتا تھا اور اس کی تجویز کردہ سزائیں اس کے دور کی سزاؤں کے لحاظ سے انتہائی نرم ہوتی تھیں۔

اس نے لوٹ مار کی ممانعت کر رکھی تھی اور جنگی قیدیوں کے ساتھ اکثر بہتر سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ حالانکہ جنگی قیدیوں کے ساتھ ناروا سلوک روا رکھنا اس دور کا ایک رواج تھا لیکن ٹیپو سلطان جنگی قیدیوں کے ساتھ ناروا سلوک روا رکھنے کے حق میں نہ تھا۔

وہ جاگیردارانہ نظام کا بھی خاتمہ چاہتا تھا اور اسے ایک مضبوط مرکزی قوت میں تبدیل کرنے کا متمنی تھا اور سول سروس کے افسران کو اس کا منتظم مقرر کرنے کا خواہاں تھا اس کا بہترین اور منظم حکومتی دفتر دیکھ کر فرنگی اس وقت حیرت کا شکار ہوئے جب انہوں نے 1799ء میں سرنگاپٹم میں اس کے حکومتی دفتر میں لوٹ مار سرانجام دی۔

وہ سماجی برائیوں کو ختم کرنے کا بھی متمنی تھا۔ اس نے معذور افراد کو روزگار مہیا کئے اور اس نے بچوں کے لئے سکول قائم کرنے کی کوشش بھی سرانجام دی۔ اگرچہ وہ ایک کٹر مسلمان تھا لیکن اس کے باوجود بھی اس نے مذہبی آزادی کی حفاظت سرانجام دی اور دیگر مذاہب کی عبادت گاہوں کو بھی گراں قدر عطیات سے نوازا اور اپنے مذہب کے حامل افسران اور عہدیداروں کے علاوہ دیگر مذاہب کے حامل افسران اور عہدے داروں کا بھی تقرر کیا۔

وہ اس نکتہ نظر کا حامل تھا کہ ایک کامیاب معاشرے کے لئے یہ ضروری تھا کہ زراعت...... کامرس...... اور تجارت غریبوں کا استحصال کئے بغیر سرانجام دی جائے۔ اس نے کامرس اور انڈسٹری کو فروغ دینے کے لئے کئی ایک اقدامات سرانجام دیے تھے اور غیر ملکی کاریگر اور ٹیکنیشن کو بھی

دعوت دی تھی کہ وہ میسور میں آباد ہوں۔ اس کی ان سرگرمیوں کے بہتر نتائج برآمد ہوئے تھے اور میسور کا عام آدمی بھی خوشحالی کی زندگی بسر کرتا تھا۔

ٹیپو سلطان کا دور حکومت ایک مختصر دور حکومت تھا...... یہ محض 17 برس پر محیط تھا...... 1782ء تا 1799ء...... اور اس کے دور حکومت کے دوران زیادہ تر وسائل اور وقت جنگ کی نذر ہوا تھا اور اسے امن وامان کے جو چند برس میسر آئے اس نے ان سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا اور بہت سی کامیابیاں حاصل کیں اور ان چند برسوں کے دوران اس قدر ترقی ہوئی کہ کوئی بھی فرد یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ اگر اسے مسلسل امن وامان اور سکون میسر آتا تو وہ کس قدر ترقی سے ہمکنار ہوتا۔

ٹیپو سلطان کی سماجی اور اعتدال پسند اصلاحات کی بدولت جاگیردار اور زمیندار اس کے خلاف ہو گئے تھے کیونکہ وہ اس امر کو نہیں سمجھ سکتے تھے جس کو آج کل ہم جمہوریت اور انسانی حقوق کا عنوان دیتے ہیں۔ یہ لوگ جدید افکار سے عدم طمانیت کا شکار تھے اور یہی وجہ تھی کہ وہ فرنگیوں کے ساتھ ساز باز کرنے میں مصروف رہے اور جب فرنگیوں نے اپنا تسلط قائم کر لیا تب انہوں ہر ایک امر کو دوبارہ روایتی انداز میں بدل دیا۔

ٹیپو سلطان اگرچہ جدید اور بہتر علم کے حصول کے لئے کوشاں رہتا تھا لیکن اس کے باوجود بھی وہ بذات خود نجومیوں کا شکار بنا رہتا تھا۔ وہ نئے افکار کا حامل تھا اور ان افکار پر اپنے عمل درآمد کو بھی ممکن بنانے کا متمنی تھا۔ اس نے ایک بہترین مصلح کا کردار ادا کیا۔

ٹیپو سلطان کے بارے میں موجودہ دور کے بحث مباحثوں کے دوران اس کے کچھ حامی اسے ایک ہندوستانی قوم پرست قرار دیتے ہیں...... ایک ایسا رہنما قرار دیتے ہیں جو متحدہ ہندوستان کا حامی تھا جو غیر ملکی حکمرانوں کو ہندوستان سے نکال سکے۔ وہ اسے پہلا حریت پسند...... گاندھی اور ہندوستان کی جدید آزادی کی تحریک کا پیش رو قرار دیتے ہیں۔

لیکن ٹیپو سلطان ہندوستانی قوم پرست نہ تھا بلکہ وہ انگریزوں کا جانی دشمن تھا اور انہیں ہندوستان سے نکال باہر کرنا چاہتا تھا۔ تاہم اس کے نزدیک فرنگیوں کا نعم البدل کسی قسم کا عظیم ہندوستان نہ تھا بلکہ اس کے نزدیک فرنگیوں کا نعم البدل فرانس تھا...... فرانسیسی تھے۔ اس نے فرانسیسیوں کے ساتھ دفاعی اور جارحانہ اتحاد کے جو معاہدے کئے ان میں اس نے عملی طور پر فرانسیسیوں کو تمام تر ہندوستان کی پیشکش کی تھی...... انگریزوں سے اقتدار چھیننے کے بعد فرانسیسیوں کے حوالے کیا جانا تھا اور اگر ٹیپو سلطان اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا تب ایک نوآبادیاتی طاقت کی جگہ ایک دوسری نوآبادیاتی طاقت لے لیتی اور ہندوستان کی بدیسی قومی زبان انگریزی کی بجائے فرانسیسی ہوتی۔ ٹیپو سلطان کا مقصد یہ تھا کہ وہ فرانس کے تعاون کے ساتھ فرنگیوں کو ہندوستان سے نکال باہر کرے اور اس کے ساتھ ساتھ میسور کی آزادی کی حفاظت بھی کرے اور اسے جنوبی ہندوستان کی ایک نمایاں طاقت بنائے۔

ٹیپو سلطان یہ چاہتا تھا کہ اس کے سیاسی اور سماجی افکار جلد از جلد پایہ تکمیل کو پہنچ جائیں۔ وہ ایک بہادر اور دلیر شخص تھا۔ اس کی بہادری اور جرأت میں کبھی کوئی کمی دیکھنے میں نہ آئی تھی۔ وہ ایک متحد...... آزاد...... اور خوشحال میسور کا خواب دیکھتا تھا۔